www.shibliinternational.com

June 2019

ISSN: 2581-9216

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد

Urdu Monthly **SADA E SHIBLI** Hyderabad

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی

20/- روپے

جون:2019 Jun

علمی، ادبی، سائنسی، مذہبی، سماجی اور معلوماتی شاہکار

جلد:2 Vol_ شمارہ:16 Issue

ماہنامہ

صدائے شبلی

حیدرآباد

مدیر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران: ڈاکٹر سراج احمد انصاری ☆ ڈاکٹر عبدالقدوس ☆ ابوہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، استاذ الاساتذہ حضرت رحمٰن جامی
پروفیسر مظفر علی شہہ میری، پروفیسر محسن عثمانی ندوی
پروفیسر ابوالکلام پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی،
ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مولانا ارشاد الحق مدنی،
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی، اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ
محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر جاوید کمال
ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر سید امام
حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ
ڈاکٹر محمد زبیر، ڈاکٹر مصطفیٰ خان، ڈاکٹر محمد فضیل ندوی،
ڈاکٹر مصلح الدین نظامی، ابوہریرہ ایوبی، محسن خان

قیمت فی شمارہ: 20
سالانہ: 220 - بیرونی ممالک: 50/ امریکی ڈالر
خصوصی تعاون: 1000

MOHD MUHAMID HILAL
A/c: 52023475202 Bank: SBI
Ifsc: SBIN0020413
Micr: 500002311 Branch: Dabeerpura Hyd

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط وکتابت کا پتہ

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352, B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Near Asfya Masjid Dabirpura Road, Purani Haveli,Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی باتیں (اداریہ)	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	عبادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ (قسط:۱۳)	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۹
۴	انتباہ (نظم)	نیاز جیراجپوری	۱۲
۵	قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے کا بنیادی تقاضہ	مولوی صفوۃ الرحمٰن	۱۳
۶	باغیچہ اور فن باغبانی	مولانا انصار احمد معروفی	۱۵
۷	جاں نثار اختر کے ''گھر آنگن'' کی عورت	ڈاکٹر ارشد جمیل	۱۸
۸	ملک کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے قرآن کے دس نکاتی پیغام	احمد نور عینی	۲۱
۹	غزل	علینا عترت	۲۵
۱۰	سیماب اکبر آبادی کی ادبی خدمات	سعدیہ سلیم شمسی	۲۶
۱۱	غزل	طفیل احمد مصباحی	۲۸
۱۲	میں بھی ہوا شکار (مزاحیہ)	سیف الاسلام سیف	۲۹
۱۳	غزل	رفیق قریشی	۳۱
۱۴	غزل	قاری ولی محمد زاہد ہریانوی	۳۱
۱۵	اردو افسانہ اور ڈاکٹر محشر عابدی	رفیعہ شیم	۳۲
۱۶	چیختی چلاتی قوم	شمیم مشتاق	۳۷
۱۷	شبلی خود نوشتوں میں (تبصرہ)	اقبال مسعود	۳۹

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

ابو سفیان اعظمی، مقیم حال ممبئی...... الحاج **محمد منیر الدین عرف ولی**، آغا پورہ حیدر آباد
ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدر آباد...... الحاج **محمد عبد الستار** سیکھ ولیج سکندر آباد حیدر آباد
علی میاں احمد پٹھان رائے گڑھ (مہاراشٹر)...... **علی احمد عبد اللہ** کونچالی، رائے گڑھ (مہاراشٹر)
الحاج **رئیس احمد اقبال** انجینئر، سیکھ ولیج سکندر آباد حیدر آباد...... **محمد عبد الماجد** ایڈوکیٹ، سکندر آباد، حیدر آباد
جناب قاضی **فیض الدین**، ایرتوڑیل، مہاڈ، رائے گڑھ مہاراشٹرا۔ ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج
چار مینار، حیدر آباد...... مولانا **محمد عبد القادر سعود** نائس جوس سینٹر سکندر آباد، حیدر آباد۔
الحاج **محمد قمر الدین** نبیل کالونی بارکس حیدر آباد

اداریہ

اپنی باتیں

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کا ترجمان ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد اپنے تمام قارئین کو عیدالفطر کی پُرخلوص مبارکباد پیش کرتا ہے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ہم سب مل کر دعا کریں کہ اے اللہ ہم سب کو دین و دنیا میں بھلائی عطا فرما اور ہماری زندگیوں کو عافیت نصیب ہو (آمین)

گزشتہ ماہِ مئی میں ملک کے پارلیمانی انتخابات کے نتائج برآمد ہوئے۔ عوام نے ایک بار پھر بھارتی جنتا پارٹی کو پوری اکثریت کے ساتھ کامیاب کیا۔ ادارہ ملک کے وزیراعظم نریندر مودی کو دوسری مرتبہ وزیراعظم بنائے جانے پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔ وزیراعظم نے اپنی پہلی تقریر میں کہا ''سب کا ساتھ، سب کا وکاس اور سب کا وشواس''۔ امید ہے کہ وہ اپنے وعدے پر قائم رہیں گے۔ کیونکہ جب قول وعمل میں موافقت ہوتی ہے تو اس سے انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کی ترقیاں ہوتی ہیں۔ انتخابات کے دوران اور مابعد انتخابات پورے ملک میں ووٹنگ مشین پر سوالیہ نشان لگا اور آئے دن سوشل میڈیا پر احتجاج کی خبریں موصول ہو رہی ہیں۔ کہیں پر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ووٹ کم تھے اور گنتی میں ووٹ زیادہ نکلے۔ یا لوگوں نے کسی اور کا بٹن دبایا تھا اور ووٹ کہیں اور چلا گیا وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر سی بات ہے کہ یہ انہیں لوگوں کا کام ہوتا ہے جو ایمانداری اور عدل وانصاف سے عاری ہوتے ہیں، اگر اس طرح کی بات ہے تو یہ ہمارے ملک کے مستقبل کے لیے بڑا خطرہ ہے۔ اب جو ہو چکا ہے ہو چکا، آئندہ صاف وشفاف الیکشن ہونا چاہئے تاکہ عام وخاص کسی کو بھی شکایت کا موقع نہ ملے۔ یہ کام الیکشن کمیشن اور انتظامیہ کا ہے۔ کیونکہ اقتدار کی ہوس کسی کو کچھ بھی کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

جون اور جولائی میں مدارس، اسکولس اور کالجس کا پورے ملک میں تعلیمی سال کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات ہے کہ ٹھوس اور مظبوط تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء وطالبات کی تربیت پر خاص توجہ دی جائے۔ آج سماج میں بداخلاق کا فیصد بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے، اس کا سدباب کرنا بے حد ضروری ہے۔ اس میں انتظامیہ، اساتذہ، والدین اور سرپرست بڑا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کے تمام شمارے ہماری ویب سائٹ www.shibliinternational.com پر موجود ہیں آپ ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

مولانا ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی

عباداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

خشیتِ الٰہی:

آپؐ خاتم الانبیاء تھے، افضلِ رسل تھے، محبوب خاص تھے، تاہم خشیتِ الٰہی کا یہ اثر تھا کہ فرمایا کرتے کہ ''مجھ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گذرے گی'' حضرت عثمانؓ بن مظعون نے جب وفات پائی تو آپؐ تعزیت کو گئے، لاش دھری تھی، ایک عورت نے لاش کی طرف مخاطب ہوکر کہا ''خدا گواہ ہے کہ خدا نے تجھ کو نوازا'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''تم کو کیوں کر معلوم ہوا'' بولیں ''خدا نے ان کو نہیں نوازا تو کس کو نوازے گا'' ارشاد ہوکہ ''ہاں مجھ کو بھی ان کی نسبت بھلائی کی توقع ہے لیکن میں پیغمبر ہوکر بھی یہ نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا''۔

(جب کبھی زور سے ہوا چلتی آپؐ سہم جاتے، کسی ضروری کام میں ہوتے، اس کو چھوڑ کر قبلہ رخ ہوجاتے اور فرماتے ''خدا تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگتا ہوں'' جب مطلع صاحب ہوجاتا یا پانی برس جاتا تو مسرور ہوتے اور خدا کا شکر ادا فرماتے، ایک دن اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا ''یارسول اللہ! آپؐ کیوں مضطرب ہوجاتے ہیں'' ارشاد ہوا ''عائشہؓ! تجھے کیا معلوم کہ قوم ہود کا واقعہ نہ پیش آئے، جس نے بادل دیکھ کر کہا یہ ہمارے کھیتوں کو سیراب کرنے والا ہے، حالانکہ وہ عذاب الٰہی تھا''۔

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپؐ کے بال پکنے لگے فرمایا ''مجھے سورۂ ہود وواقعہ المرسلات اور عم یتساءلون نے بوڑھا کردیا'' (ان سورتوں میں قیامت وغیرہ کے واقعات مذکور ہیں) ابیؓ ابن کعب سے روایت ہے کہ جب وہ ثلث شب گذر چکتی، بہ آواز یہ الفاظ ادا فرماتے ''لوگو! خدا کو یاد کرو، زلزلہ آرہا ہے، اس کے پیچھے پیچھے آنے والا آرہا ہے، موت اپنے سامان کے ساتھ آپہنچی، موت اپنے سامان کے ساتھ آپہنچی''۔

فرمایا کرتے تھے، لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہوتم کو ہنسی کم اور رونا زیادہ آتا''۔

ایک دفعہ آپؐ نے نہایت مؤثر طرز سے خطبہ میں فرمایا ''اے معشرِ قریش! اپنی آپ خبر لو میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا، اے بنی عبدالمناف! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے عباس بن عبدالمطلب! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے صفیہ! رسولِ خدا کی پھوپھی! میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ! میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔

ایک دفعہ اعراب بادیہ کا مسجد نبویؐ میں اتنا ہجوم ہوا کہ آپؐ کے قریب ہوگئے، مہاجرین نے اٹھ کر لوگوں کو ہٹایا، آپؐ نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہوگئے اور تقاضائے بشری سے بددعا زبان سے نکل گئی، فوراً قبلہ رخ ہوکر دونوں ہاتھ خدا کی بارگاہ میں اٹھائے اور دعا کی، خدایا میں ایک انسان ہوں، اگر تیرے بندے کو مجھ سے تکلیف پہنچے تو مجھے سزا نہ دینا۔

گریہ وبکا:

خشیتِ الٰہی کی وجہ سے اکثر آپؐ پر رقت طاری ہوجاتی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے، حضرت عبداللہ بنؓ مسعود نے جب آپؐ کے سامنے یہ آیت پڑھی **فکیف اذا جئنا من کل امۃ، بشہید وّ جئنا بک علی ھٰـؤلآء شہیدا** (نساء۔۴:۴۱) تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہوگئے، اکثر نماز میں رقت طاری ہوتی، اور آنسو جاری ہوجاتے، ایک دفعہ جب سورج گرہن پڑا تو نمازِ کسوف میں آپؐ ٹھنڈی سانسیں بھرتے اور فرماتے تھے۔ خدایا تو نے

وعدہ کیا ہے کہ تو لوگوں پر میرے ہوتے عذاب نہیں نازل کرے گا۔

عبداللہؓ بن شخیر ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا، دیکھا کہ آپؐ نماز میں مشغول ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، روتے روتے اس قدر ہچکیاں بندھ گئی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ چکی چل رہی ہے یا ہانڈی ابل رہی ہے۔

ایک بار آپؐ ایک جنازہ میں شریک تھے، قبر کھودی جا رہی تھی، آپؐ قبر کے کنارے بیٹھ گئے، یہ منظر دیکھ کر آپؐ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے زمین نم ہوگئی، پھر فرمایا بھائیو! اس دن کے لیے سامان تیار کر رکھو۔

ایک دفعہ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، راہ میں ایک پڑاؤ ملا، کچھ لوگ بیٹھے تھے، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ بولے ہم مسلمان ہیں، ایک عورت بیٹھی چولھا سلگا رہی تھی، پاس ہی اس کا لڑکا تھا، آگ خوب روشن ہوگئی اور بھڑک گئی تو وہ بچہ کو لے کر آپؐ کی خدمت میں آئی اور بولی آپؐ رسول اللہ ہیں؟ ارشاد ہوا ہاں بے شک، پھر اس نے پوچھا کیا ایک ماں اپنے بچہ پر جس قدر مہربان ہے، خدا اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان نہیں ہے، آپؐ نے فرمایا ہاں بے شک، اس نے کہا تو ماں اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی، آپؐ پر گریہ طاری ہوگیا، پھر سر اٹھا کر فرمایا، خدا اس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکش اور متمرد ہے، خدا سے سرکشی کرتا ہے اور اس کو ایک نہیں کہتا۔

ایک دفعہ آپؐ نے حضرت ابراہیم کی دعا:

رب انھن اضللن کثیراً من الناس فمن تبعنی فانّہ منیّ (ابراہیم۱۴:۳۶)

پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا، ان میں سے جس نے میری پیروی کی وہی میری جماعت میں ہے۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ والی دعا پڑھی:

ان تعذّبھم فانّھم عبادک و ان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم (مائدہ۔۵:۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کردے تو تو غالب و دانا ہے۔

دونوں ہاتھ اٹھا کر اللّٰھم امتی امتی فرماتے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

محبت الٰہی:

(دنیا میں دو قسم کے پیغمبر آئے ہیں، ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا اور اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت نوحؑ و حضرت موسیٰ علیہما السلام، دوسرے وہ جو محبت الٰہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی خم خانۂ عشق کی طرف بلاتے تھے، مثلاً حضرت یحیؑ و عیسیٰ علیہما السلام لیکن یہ دونوں افراط و تفریط کے راستے تھے، پہلی راہ اخلاص و محبت کی منزل تک پہنچاتی اور دوسری عبودیت اور آداب واحترام کی منزل سے دور پھینک دیتی ہے، جیسا کہ عیسائی کی تعلیم اور موجودہ انجیل کی سیرت مسیحؑ میں ہر شخص کو نظر آسکتا ہے لیکن اسلام دونوں جلوؤں کو یکساں نمایاں کرنا چاہتا ہے، یہی سبب ہے کہ حامل شریعتِ اسلام کی ذاتِ مبارکؐ میں یہ دونوں پہلو بہ یک دفعہ نظر آتے ہیں، قرآن مجید نے کمالِ ایمان کا وصف یہ بیان کیا ہے:

والذین آمنوا اشد حبا للّٰہ (بقرہ۲:۱۶۵)

جو ایمان لائے ہیں ان کو سب سے زیادہ خدا پیارا ہے۔

صحیح روایتوں میں ہے کہ آپؐ راتوں کو اتنی دیر تک نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا، یہ دیکھ کر بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! آپ کی مغفرت تو خدا کر چکا ہے، آپؐ یہ زحمت کیوں اٹھاتے ہیں''؟ ارشاد ہوا کہ ''کیا میں عبد شکور نہ بنوں''۔ اربابِ باطن کہتے ہیں کہ لوگ سمجھتے تھے کہ آپ کی عبادتیں خشیتِ الٰہی سے ہیں اور چونکہ آپؐ

گناہوں سے پاک کردیئے گئے تھے، اس لیے آپ کو ریاضتِ شاقہ کیا ضرورت نہ تھی، آپؐ نے اپنے جواب میں اس شبہہ کو دفع فرمایا اور بتایا کہ ان کا مقتضا محبتِ الٰہی نہیں ہے، اس لیے آپؐ فرمایا کرتے تھے:

وجعلت لی قرة عینی فی الصلوٰة

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

راتوں کو سناٹے میں اٹھ کر آپؐ کبھی دعاوزاری میں مصروف ہوتے، کبھی قبرستان کی طرف نکل جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ نصف شب کے سکوت میں خدا سمائے دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ عبادتِ شبانہ کا خاتمہ صبح کی دو رکعتوں پر ہوتا تھا، جن کی نسبت آپؐ کا ارشاد تھا کہ ''ان کے معاوضہ میں دنیا ومافیہا کی نعمتیں بھی میرے سامنے ہیچ ہیں''۔

ایک ایک غزوہ میں کوئی عورت گرفتار ہو کر آئی، اس کا بچہ تم تھا، محبت کا یہ جوش تھا کہ کوئی بچہ مل جاتا تو وہ سینہ سے لگا لیتی اور اس کو دودھ پلاتی، آپؐ نے دیکھا تو حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا ''کیا یہ ہوسکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے'' لوگوں نے عرض کی ''ہرگز نہیں'' فرمایا ''تو خدا اپنے بندوں سے اس سے زیادہ محبت ہے جتنی اس کو اپنے بچہ سے ہے''۔

اسی طرح ایک واقعہ اوپر گذر چکا ہے کہ آپؐ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے، ایک عورت اپنے بچہ کو گود میں لے کر خدمتِ اقدس میں آئی اور عرض کی ''یارسول اللہ! ایک ماں کو اپنے بچہ سے جس قدر محبت ہوتی ہے، کیا خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ محبت نہیں ہے؟'' فرمایا، ہاں بیشک ہے، اس نے کہا کوئی ماں تو اپنے بچہ کو آگ میں ڈالنا گوارہ نہیں کرتی، یہ سن کر فرطِ اثر سے آپؐ پر گریہ طاری ہوگیا، پھر سر اٹھا کر فرمایا، خدا صرف اس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے۔

ایک دفعہ آپؐ صحابہؓ کی مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک صاحب چادر میں ایک پرند کو مع اس کے بچوں کے لپیٹے ہوئے لائے اور عرض کی کہ یارسول اللہ! میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا، اس کی ماں یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی، میں نے ذرا سا کپڑا کھول دیا تو وہ فوراً بچوں پر گر پڑی، ارشاد ہوا کہ کیا اپنے بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے، خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے بہ درجہا زیادہ ہے۔

آپ ﷺ محبتِ الٰہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتوں کو ہیچ سمجھتے تھے، وفات سے پانچ دن پہلے آپؐ نے صحابہؓ کے مجمع میں ایک خطبہ دیا، اس میں فرمایا ''اس خدا کے سامنے اس بات سے برأت کرتا ہوں کہ تم میں سے (یعنی انسانوں میں سے) کوئی میرا دوست ہو، کیوں کہ خدا نے مجھے اپنا دوست بنالیا، جس طرح ابراہیمؑ کو اس نے اپنا دوست بنالیا تھا، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بناسکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔

وفات کے وقت زبانِ مبارک سے جو فقرہ بار بار ادا ہو رہا تھا یہ تھا:

اللھم رفیق الاعلیٰ

خدایا صرف رفیق اعلیٰ مطلوب ہے۔

یہ الفاظ سن کر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ''اب آپ ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے''۔

اس ''رفاقتِ علویٰ'' کے راز سے جو کسی قدر آشنا ہیں وہ اس فقرہ کی یہ تشریح کرتے ہیں:

وانبیا علیہم السلام چوں از مقام دعوت فارغ می گردند متوجہ عالم بقامی شوندہ

مصلحت رجوع (الی الخلق) تمام می شود بشوق تمام ندائے الرفیق الاعلیٰ برآوردہ بہ کلیت متوجہ حق جل شانہ می گردند درمراتب قرب سیری نمایند''۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ 9838573645

دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ

مفتی محمد انوار الحق

مفتی محمد انوار الحق (۱۸۸۵-۱۹۴۹ء) ڈائرکٹر سررشتہ تعلیمات ریاست بھوپال بڑے عالم وفاضل شخص تھے۔انھوں نے بھوپال کے آخری حکمراں نواب حمید اللہ خاں کی اہلیہ میمونہ سلطان شاہ بانو کے ترجمہ آغاز اسلام کا دیباچہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''حضرت ممدوحہ (سلطان جہاں بیگم) نے شمس العلماء مولانا شبلی مرحوم کی سیرت نبویؐ کو ایک دینی فرض اور مذہبی عبادت کی طرح مکمل کرانے کا عزم کیا، لیکن سردست تو وہ کتاب ناتمام ہی ہے اور مکمل ہونے پر بھی غالباً اس کی ضخامت اس کی اشاعت کو اس قدر عام نہ ہونے دے۔ جتنی کہ وہ ہونی چاہئے، غالباً اسی لئے حضور ممدوحہ کے ایما سے بیگم صاحبہ عالی جناب نواب حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر نے جو ابھی تک علیا حضرت کی خاص نگرانی میں طالب علمانہ زندگی بسر کرتی ہیں اردو میں ایک مختصر تاریخ آغاز اسلام کا ترجمہ کیا ہے، اصل میں یہ کتاب مولانا شبلی مرحوم ہی نے عربی میں لکھی تھی اور اس کا ترجمہ فارسی میں مولانا حمید الدین صاحب بی اے نے کیا تھا، لیکن چوں کہ بوجہ اجنبیت زبان یہ دونوں کتابیں عام فہم نہ تھیں اور خاص کر چھوٹے بچے جن کو آغاز اسلام کے واقعات جاننے کی سخت ضرورت تھی اس سے مستفید نہ ہوسکتے تھے،اس لئے جناب بیگم صاحبہ ممدوحہ نے اسے صاف وسلیس اردو کا لباس پہنادیا جسے مبتدی لڑکے اور لڑکیاں بے تکلف پڑھ اور سمجھ سکتی ہیں۔ اس کتاب میں حضرت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات تو کسی قدر اختصار سے لکھے گئے ہیں لیکن زمانہ رسالت کا بیان زیادہ مفصل ہے، مگر کتاب کی اصل خوبی تو یہ ہے کہ جو کچھ ہے نہایت صاف اور واضح ہے اور چونکہ تذکرہ اور وقائع کے سوا مسائل مختلف فیہ پر کچھ رائے زنی نہیں کی گئی ہے (اور یقیناً بچوں کے لئے اس کی کچھ ضرورت بھی نہ تھی) اس لئے کسی بات پر اعتراض بھی نہیں ہوسکتا، یوں بچوں کے لئے اس چھوٹی سی کتاب کا مطالعہ ایک دلچسپ تاریخ، ایک اخلاقی نصیحت اور ایک مذہبی عبادت کی مجموعی حیثیت رکھتا ہے اور یقیناً ہر پہلو سے ان کے لئے مفید اور نتیجہ خیز ہے۔'' (آغاز اسلام، دیباچہ ص:ج،د)

ملا واحدی

ملا واحدی (۱۸۸۸۔ ۱۹۷۷ء) علامہ شبلی کے ملاقاتیوں میں سے تھے۔ ۱۹۰۹ء میں جب علامہ شبلی ایک ماہ کے لئے خواجہ حسن نظامی کے مہمان ہوئے تھے تو خواجہ صاحب نے ملا واحدی کو ان کی دیکھ ریکھ کے لئے مقرر کیا تھا، البتہ

خواجہ حسن نظامی سے علامہ کے بڑے گہرے مراسم تھے، خط وکتابت بھی رہی۔ خواجہ حسن نظامی کی وفات کے بعد ملا واحدی نے جو ان کے حبیب خاص تھے ان کی سوانح عمری لکھنے کا آغاز کیا اور اس کا پہلا جس میں ان کے ۱۹۲۴ء کے حالات ہیں، حلقہ نظام المشائخ دہلی سے شائع ہوا، اس کے مختصر سے دیباچہ میں صرف علامہ شبلی ہی کا ذکر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"دلی میں ندوہ العلماء کا جلسہ ہو رہا تھا جسے مصر کے علامہ رشید رضا نے صدارت کی عزت بخشی تھی اور جس میں ہونے والے علامہ سید سلیمان ندوی اور علامہ عبدالسلام ندوی سے بحیثیت جید طالب علم عربی کی تقریریں کرائی گئی تھیں۔

علامہ شبلی نعمانی اور مولانا ابوالکلام آزاد مولوی عبد الاحد مالک مطبع مجتبائی کے ہاں برابر کمروں میں مقیم تھے میں اور خواجہ صاحب علامہ شبلی سے ملنے گئے۔ نظام المشائخ کا پہلا خاص نمبر (شہید نمبر) تازہ تازہ نکلا تھا، اس میں سرمد شہید پر مولانا ابوالکلام کا مضمون چھپا تھا۔ علامہ شبلی نے فرمایا سرمد کے حالات اتنے ہی ملتے ہیں جتنے ابوالکلام نے لکھ دیئے ہیں، لیکن حالات کو پھیلایا بہت ہے اکٹھے بیس صفحے لکھ ڈالے، میں لکھتا تو دو صفحوں سے زیادہ نہ لکھتا، مواد صرف دو صفحوں کا ہے، باقی ابوالکلام کی ادبیت ہے۔

اس کے بعد کہا کہ مورخ کی تحریر ایسی ہونی چاہئے کہ پڑھنے والا محسوس نہ کرے کہ یہاں لکھنے والے کی تیوری چڑھی ہے، اور یہاں لکھنے والے کا چہرہ کھل گیا ہے۔

میں نے علامہ شبلی کے ان فقروں کو گرہ میں باندھ لیا اور آج جب خواجہ صاحب کی سوانح عمری پیش کر رہا ہوں مجھے ان فقروں کی یاد بار بار آ رہی ہے"۔ (دیباچہ حضرت خواجہ حسن نظامی از ملا واحدی دہلوی)

ملا واحدی کوچہ چیلان دہلی کے رہنے والے تھے، خواجہ حسن نظامی کے خاص دوست تھے اور دہلی کے بزرگوں کے دیکھنے والے تھے، انھوں نے بہت سے واقعات لکھے ہیں اپنی خود نوشت بھی لکھی ہے لیکن واقعات کے ہجوم میں کبھی کبھی غلطیاں ہو جاتی ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا اقتباس میں ہوا ہے۔ ندوہ کا سالانہ اجلاس جس کی صدارت شیخ رشید رضا نے کی تھی وہ دلی میں نہیں لکھنؤ میں ۱۹۱۲ء میں منعقد ہوا تھا۔ مولوی عبدالاحد کا مطبع مجتبائی دہلی میں واقع تھا۔ اجلاس ندوہ کے دوران ان کے ہاں شبلی وابوالکلام کے قیام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

محمد قربان علی بسمل

محمد قربان علی بسمل دہلوی دہلی کے رہنے والے اور مشہور شاہ جہانی پریس دہلی کے مالک تھے۔ یہ علامہ شبلی اور ان کی تصنیفات کے بڑے قدرداں تھے۔ انھوں نے علامہ کی متعدد کتابیں اپنے پریس سے شائع کیں۔ ان کی نظموں کا مجموعہ "مجموعہ نظم شبلی اردو" جس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے، اس کے دیباچہ میں علامہ کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ اس میں مولوی سید احمد دہلوی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"فارسی زبان کے آپ دھنی تھے۔ عربی کے کامل ادیب، ندوۃ العلماء کو بارآور بنایا۔ خزاں رسیدہ شجر کو پت جھڑ سے آپ نے محفوظ رکھا۔ از سر نو پروان چڑھایا، گو نا اتفاقی نے اس پر پتھر برسائے۔ خود غرضانہ روڑوں کی بوچھاڑ کی جس کے سبب آپ اس سے کنارہ کش ہو گئے مگر جو کچھ کر گئے اور جس بات کی بنیاد ڈال گئے وہ آئندہ نسلوں کے حق میں آب حیواں سے کم نہیں"۔ (مجموعہ نظم شبلی اردو ص ۱۰۱، شاہ جہانی پریس دہلی ۱۳۴۸ھ)

بسمل دہلوی کا جذباتی انداز ملاحظہ ہو:

''ہائے شبلی! اب ہم تمہیں کہاں پائیں گے، گو آپ کی تصانیف سے مکالمہ کا حظ اٹھائیں گے، رہتی دنیا تک فیض پائیں گے، سیرۃ النبیؐ کی ابتدائی جلد بھی ہماری نظر سے گذر جائے گی لیکن چار جلدوں کے واسطے آپ کی روح مبارک کس کس کے جسم میں حلول کرے گی، بلا سے مرتے مرتے سیرۃ النبیؐ کو تو پورا کردیا ہوتا''۔(ایضاً ص ۱۰۱۔۱۰۲)

تلاش بسیار کے باوجود قربان علی بسمل دہلوی کے حالات راقم کو معلوم نہ ہوسکے۔

محمد طاہر فاروقی

چمنستان ادب کے نام سے حامد حسن قادری (۱۸۸۷۔۱۹۶۴ء) نے اساطین اردو کی تحریروں کا ایک انتخاب کیا تھا جو آگرہ سے شائع ہوا۔ اس کا مقدمہ محمد طاہر فاروقی صدر شعبۂ فارسی واردو آگرہ کالج نے لکھا ہے، اس میں اردو کے آغاز، نشو ونما اور عہد بہ عہد ارتقا کی تفصیل لکھی ہے۔ قدما، متاخرین اور عہد حاضر کے تمام معروف اہل قلم کی خدمات کا سرسری تعارف پیش کیا ہے، متاخرین میں سرسید اور ان کے نامور رفقا کی خدمات کا تعارف کرایا ہے، اس میں علامہ شبلی کا کئی جگہ ذکر آیا ہے اور ایک مقام پر ان کے تمام کاموں کا ذکر بڑی خوبی اور جامعیت سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

''مولانا شبلی (۱۸۵۷۔۱۹۱۴ء) ہمہ گیر قابلیت کے بزرگ تھے، لیکن بحیثیت نقاد، فلسفی، ادب اور سیرت نگار کے آپ یکتائے عصر تھے۔ ۱۸۹۲ء میں آپ کو شمس العلماء کا خطاب ملا اور اسی سال حکومت عثمانیہ ترکیہ نے تمغہ مجیدیہ کا انعام بخشا۔ شبلی کی تصانیف سے ان کے علمی تبحر، وسعت نظر، مذاق سلیم اور تنقیدی ملکہ کا پتہ چلتا ہے...... سرسید تحریک کے سلسلہ میں شبلی نے کئی کتابیں لکھیں۔ الفاروق، المامون اسی سلسلہ کی مصنفات ہیں۔ سیرۃ النبیؐ مولانا کے لئے خود بھی مایہ ناز تھی اور سیرت کی کتابوں میں بھی بلند درجہ رکھتی ہے۔ شعرالعجم لکھ کر مولانا نے نہ صرف اردو زبان میں ایک بیش بہا اضافہ کیا، بلکہ فارسی شاعری پر بھی احسان فرمایا۔ آپ کو زبان سے بحث نہ تھی، پھر بھی آپ کی زبان نقائص سے بری ہوتی ہے اور ایک مخصوص طرز کی حامل ہے۔ آپ کی تحریروں میں سادگی وسلاست کے ساتھ آمد اور فصاحت ہے۔ الفاظ کا انتخاب موضوع کی مناسبت سے ہوتا ہے، اور زور اور اثر اس درجہ کا ہوتا ہے کہ آپ کی عبارت محققانہ شان کے ساتھ قول فیصل کا بھی درجہ رکھتی ہے۔ مذکورہ بالا کتابوں کے سوا آپ کی تصنیفات نثر میں موازنہ انیس ودبیر، رسائل شبلی، الغزالی، سیرۃ النعمان، سوانح مولانا روم اور سفرنامہ روم ومصر وشام خاص طور پر قابل ذکر ہیں''۔ (چمنستان ادب، ص ۱۲۔۱۳)

ڈاکٹر سید محمود

ڈاکٹر سید محمود (۱۸۸۹۔۱۹۷۱ء) ایک بڑے سیاسی رہنما تھے۔ بہار میں وزیر تعلیم اور حکومت ہند میں امور خارجہ کے وزیر رہے، وہ بڑے ذی علم اور باشعور تھے۔ علم وادب بالخصوص تاریخ ہند پر ان کی گہری نظر تھی۔ کیمبرج سے بیرسٹر تھے۔ مغلوں کے سیاسی نظام پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی سند لی تھی، ۱۹۵۰ء میں مولانا حبیب الرحمٰن شروانی کی وفات کے بعد دارالمصنفین کی انتظامیہ کے صدر منتخب ہوئے جس پر وہ تاحیات فائز رہے۔

ان کے علامہ شبلی سے تعلقات تھے، بعض علمی تحقیقات کے سلسلے میں علامہ سے خط وکتابت بھی رہی، یہ خطوط راقم کی

کتاب مکتوبات شبلی میں شائع ہوگئے ہیں۔ دور طالب علمی میں انھوں نے علامہ شبلی کی کتاب ''مضامین عالم گیر'' کا انگریزی میں ترجمہ یا خلاصہ کیا مگر وہ شائع نہ ہوسکا، علامہ شبلی ان کے علمی شغف سے متاثر ہوکر سیرت نبویؐ کے اسٹاف میں انھیں شامل کرنا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب سیرۃ النبی اور الفاروق وغیرہ کے بڑے مداح تو تھے ہی تحریک دارالمصنّفین کے بھی روح رواں رہے۔ انھوں نے دارالمصنفین کی کئی کتابوں کے دیباچے لکھے ہیں، سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی کتاب ''ہندوستان کے عہد وسطی کا فوجی نظام'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''دارالمصنّفین کو علامہ شبلی سے وراثت میں تاریخ ہندوستان کا کام بھی ملا۔ علامہ شبلی کی ''مضامین عالم گیر'' نے عالم گیریات پر تحقیق کرنے والوں کو ایک خاص نقطہ نظر دیا، گو علامہ مرحوم نے اپنے اس خاص نقطہ نظر کو ثابت کرنے میں اکبر، جہاں گیر اور شاہ جہاں پر اعتراضات کئے لیکن ان کا یہ خاص نقطہ نظر مسلمانوں میں بہت مقبول ہوا، پھر ان کے مضامین جہاں گیر، زیب النساء، عبدالرحیم خان خاناں اور ہندوستان پر اسلامی تمدن کے اثرات بہت اچھے تھے اور مقبول ہوئے، علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا''۔ (ہندوستان کے عہد وسطی کا فوجی نظام، پیش لفظ ص۱۴)

نیاز جیراجپوری

اِنتباہ

شَر پسندوں ، سَر پھِروں کے حوصلے بھی خوب ہیں
لگتا ہے اقلیتیں اِس دیش کی مغلوب ہیں
قتل کر دو یا جلا دو یا کِسی کو لُوٹ لو
نام پر مذہب دھرم کے خوب من مانی کرو
ہوتا ہے قانون اندھا یہ تو سُنتے آئے ہو
گُونگا اور بہرا بھی اب یہ ہو گیا ہے دیکھ لو
جو یہاں قانون سے کھیلے وہی سَرتاج ہے
خود سَری ، مَن مانی چاروں اور جنگل راج ہے
اِس طرح اِنصاف کا پہیہ گھُماتے جاؤ تم
جو ہے مُجرِم بے قصور اُس کو بتاتے جاؤ تم
حوصلہ فِرقہ پرستوں کا بڑھاتے جاؤ تم
قومی یکجہتی کو مٹّی میں مِلاتے جاؤ تم
سِکھ مُسلماں ہندو عیسائی نہ مِل کر رہ سکیں
الغرض اب بھائی سے بھائی نہ مِل کر رہ سکیں
سَر ہمالہ کا جُھکے تم حرکتیں ایسی کرو
ایکتا کا خون کر دو قتلِ آزادی کرو
دیش میں سُکھ شانتی کے بات نفرت کی کرو
ہم پسِ پردہ تمہارے ساتھ ہیں کچھ بھی کرو
وادیِ امن و اماں کی سمت اِسے مُڑنے نہ دو
نوچو پَر سونے کی چڑیا کے اِسے اُڑنے نہ دو
اب نہ اپنی حرکتوں سے باز اگر تم آؤگے
ہوگی رُسوائی تمہاری بعد میں پچھتاؤگے
ہاتھوں میں سَر لے کے اپنا چیخوگے چلّاؤگے
آگ میں اپنی جلوگے اور جلتے جاؤگے
ماننے والے یہ گیتا بائبل قُرآن کے
سَر کُچل دیں گے تمہارا بیٹے ہندوستان کے

مولوی صفوۃ الرحمٰن صابرؔ۔ حیدرآباد

قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے کا بنیادی تقاضہ

گذشتہ سے پیوستہ

منکر کے خلاف دل سے جہاد کا مطلب اس میں عدم شرکت ہے، ایک دوسرے ارشاد میں آپ ؐ نے دل سے جہاد کرنے والے کے ایمان کو رائی کے دانہ کے برابر قرار دیا ہے، ایسے ہی لوگوں کے فرائضِ حیات خشکی وتری میں فساد کو پھیلنے سے روکنے اور دور کرنے کی کوشش کرنا ہے، چنانچہ نافرمانی سے منع کرنے والے کہتے ہیں

قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّكُمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (اعراف)

''انہوں نے جواب دیا کہ ہم نافرمانی سے اسی لیے روک رہے ہیں کہ رب کے سامنے ہم اپنے فرائض حیات پورا کرنے کی کوشش کرنے والے قرار پائیں گے یا ہمارے منع کرنے سے وہ نافرمانی سے باز آ کر عذاب الٰہی سے بچ جائیں گے''۔

مندرجہ بالا ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کرنے والوں ہی سے اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل وعدے فرمائے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الحج ۳۸)

''یقیناً اللہ تعالیٰ خود ان لوگوں کو دفع کر دیتا ہے جو ایمان والوں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوتے ہیں''۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المؤمن)

''یقیناً ہم ضرور مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور اہل ایمان کی اس دنیا میں بھی اور حشر کے دن بھی''۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الروم)

''اور یقیناً ہمارا حق ہے اہل ایمان کی مدد کرنا''۔

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ، حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ (یونس)

''اہل باطل جب رسولوں اور اہل ایمان کو ہلاک کرنے کی مکمل تیاری کر لیتے ہیں تو ہم اہل باطل کو ہلاک کر کے ان کو بچا لیتے ہیں، ایسے حالات میں اہل ایمان کو بچانا ہمارا حق ہے''۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً، وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ، وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (الشعراء)

''اہل باطل کو ان کی کثرت تعداد، سامان اقتدار کے باوجود ہلاک کر کے بے سروسامان چند اہل ایمان کو بچا لینے کا واقعہ میں ہم ہی ہر طرح قادر ہونے کا کھلا ثبوت ہے، اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لاتی اور بے شک تیرا رب یقیناً ہر طرح غالب اور بڑا رحم کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے اس قانون کی عمومیت کو بیان کرتے ہوئے تاریخی واقعات سے اس کا ثبوت بھی فراہم کر دیا ہے۔ مثلاً اسی سورۃ کی آیت ۶۷۔۶۸ میں موسیٰؑ اور فرعون کے اور آیت ۱۰۳۔۱۰۴ میں ابراہیمؑ اور ان کی قوم کے اور آیت ۱۲۱ میں نوحؑ اور ان کی قوم کے اور آیت ۱۳۹ میں ہودؑ اور قوم کے عاد کے اور آیت ۱۵۸۔۱۵۹ میں صالحؑ اور قوم ثمود کے اور آیت ۱۷۴۔۱۷۵ میں لوطؑ اور ان کی قوم کے اور آیت ۱۹۰۔۱۹۱

میں شعیبؑ اور ان کی قوم کے تاریخی واقعات وتاریخی انجام کو بیان فرماتے ہوئے، اسی قانون کی تکرار فرمائی ہے اور ان ہی باتوں کو سورہ اعراف اور ہود میں تفصیل سے اور کئی سورتوں میں اجمالاً اور متعدد سورتوں میں اشارۃً بیان کیا گیا ہے۔

اُولٰٓئِکَ عَلَیۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ، وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ (البقرہ)

''صرف ایسے ہی لوگوں پر (جو میری دی ہوئی ہدایتوں یعنی سورہ البقرہ ۱۵۱ تا ۱۵۶ پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے) ان کے رب کی طرف سے رحمتیں نازل ہوتی رہیں گی اور ایسے ہی لوگ دراصل ہدایت یافتہ ہیں''۔

اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ بِاِبۡرٰهِیۡمَ لَلَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاللّٰهُ وَلِیُّ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (آل عمران)

''بلاشبہ ابراہیمؑ سے نسبت وتعلق رکھنے والے یقیناً وہی لوگ ہیں جو ان کی اتباع کرنے کی کوشش کئے ہیں اور یہ نبی (محمد ﷺ) اور جو لوگ ایمان والے (یعنی صحابہ کرامؓ) یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کا حمایتی ہے''۔

سورہ البقرہ ۲۵۷ میں صرف صحابہ کرامؓ کے تعلق سے بھی یہی وعدہ کیا گیا اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

''اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے''۔

وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (الانفال)

''اہل باطل کتنے ہی کثیر تعداد اور کتنی ہی تیاری کے ساتھ کیوں نہ ہوں، اہل ایمان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے کیونکہ اللہ اہل ایمان کے ساتھ ہے''۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ، وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمۡ دِیۡنَهُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَهُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا، یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا (النور ۵۵)

''اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان کے تقاضوں کو زندگی میں عملی طور پر پورا کرنے کی کوشش کریں گے، یقیناً ان ہی کو زمین میں خلافت عطا کرے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو کیا تھا اور جس دین کو ان کے لیے پسند کیا ہے، اس کو ان کے لیے باعث قوت بنادے گا اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا (یہ وعدے اسی وقت پورے ہوں گے) بشرطیکہ وہ سب میری ہی عبادت کرتے رہیں، میرے ساتھ کسی قسم کا بھی شرک نہ کریں''۔

اہل ایمان کی اہم بنیادی صفت اللہ تعالیٰ سے شدید ہی نہیں بلکہ ''اَشَدُّ'' (صیغۂ مبالغہ) محبت کرنا اور رکھنا قرار دی گئی ہے۔

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ)

''اور جو لوگ ایمان والے ہوتے ہیں وہ اللہ سے اشد محبت کرتے اور رکھتے ہیں''

جس کا صریح (کھلا) مطلب یہ ہے کہ ایمان والا اللہ سے زیادہ محبت وعقیدت نہ رسول نہ کسی مقربانِ بارگاہِ الٰہی سے رکھ سکتا ہے اور نہ کرسکتا ہے۔ دوسرے مال واولاد کی محبت ہو یا کوئی اور سبب کی بناء پر کسی سے محبت ہو تو اس کی محبت میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرسکتا اگر احیاناً غلطی یا نافرمانی ہوجائے تو فوری معافی کے لیے گڑگڑانے لگتا ہے۔ اللہ سے محبت کرنے اور رکھنے میں سچے ہونے کے ثبوت میں اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی کرنا لازمی کردیا گیا تب ہی اللہ بھی ان سے محبت کرے گا۔

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰهُ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ، وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (آل عمران)

اے نبیؐ! اللہ سے محبت کرنے کے دعویداروں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اس دعوے کی سچائی کے ثبوت میں میری (رسولؐ) کی پیروی کروگے تو ہی اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا (اور اللہ کا ایمان والوں سے محبت کرنا یہ ہے کہ) وہ ایمان والوں کے گناہ بخش دے گا چونکہ وہ بڑا بخشنے اور بڑا رحم کرنے والا ہے''۔

انصار احمد معروفی۔ مدرسہ چشمہ فیض ادری مئو (یوپی)

باغیچہ اور فن باغبانی

ایک ایسا مکان؛ جس کے چاروں طرف درختوں کی ہریالیاں اور رنگ برنگ کے کھلے ہوئے مہکتے پھولوں کی شادابیاں ہوں، بادِ نسیم کے جھونکوں سے پیڑ پودوں کی نرم و نازک ڈالیاں خوشیوں سے جھوم جھوم کر ایک دوسرے سے گلے مل رہی ہوں، پودوں کے منڈیر پر کھلے ہوئے رنگین و خوشنما خوشبودار پھول ایک دوسرے سے باہم مل کر اپنا نغمہ فضا میں بکھیر رہے ہوں، فرش پر سبز مخملی گھاس دور دور تک اگی ہوئی ہو، اور آنے والے کا پر جوش مگر نرم دم استقبال کرنے کے ساتھ آنکھوں میں ٹھنڈک پہنچا رہی ہو، جہاں لمبے لمبے درختوں کے ٹھنڈے ٹھنڈے سائے سیاحوں کے لیے آکسیجن کا سامان فراہم کرنے کے ساتھ فضائی آلودگی دور کر رہے ہو، اور چمن کے بیچ میں حسین وجمیل فوارے ابل ابل کر دل میں امنگیں بھر رہے ہوں اور آبشاروں کے ترنم کا منظر پیش کر رہے ہوں، ایسی جگہ آ کر کون ایسا غم زدہ دل ہوگا جو ان حسین وجمیل اور پُر فضا ماحول میں کھو کر اپنا غم بھول نہیں جائے گا؟ اور تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی غمناک ماضی سے رشتہ ختم کر کے حال کے ان مہکتے، لہکتے، لچکتے اور خوشبو بکھیرتے پھولوں میں گم نہیں ہو جائے گا؟۔

قدرت نے دنیا کو حسین وجمیل بنانے کے لیے پھولوں، وادیوں، کہساروں، ندی نہروں، آبشاروں، باغوں اور خوشنما پیڑ پودوں کو پیدا کیا، تاکہ انسان اس دلفریب دنیا میں اپنا غم بھول سکے اور ان قدرتی چیزوں سے سبق لے کر لوگوں میں گھل مل کر رہنے، غم سہنے اور مصیبت میں بھی مسکرانے کا عادی بن جائے، کیونکہ وہ یہاں آ کر دیکھ رہا ہے کہ کس طرح یہ پودے ہر طرح کے سرد و گرم موسم کو جھیل کر اور دھوپ میں خود و جل کر اللہ کی مخلوق کو سایہ پہنچا رہے ہیں، پھول کس طرح کانٹوں کے درمیان رہ کر کھل رہے ہیں، ان کے کچوکے برداشت کر کے مسکرا رہے ہیں، اور اپنا غم بھول کر دوسروں کے غم کو کافور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، کس طرح ابلتے ہوئے فوارے تنگ و تاریک راہوں سے گزر کر وسیع وعریض ماحول میں پھیل کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے یہ پیغام سنا رہے ہیں کہ ہر تنگی کے بعد کشادگی ہے اور ہر رکاوٹ کے بعد سہولت ہے۔

اسی لیے دنیا کی ابتدائی تاریخ سے لے کر آج تک کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ابتدا میں انسان کے پاس اگرچہ ساری سہولتیں مہیا نہ تھیں، مگر اس کے پاس پہلے سے درخت اور پیڑ پودے راحت دینے کے لیے ضرور موجود تھے، جو اس کے لیے پناہ گاہ اور دل بہلانے کے ساتھ سایہ اور غذا دینے کا سامان فراہم کر رہے تھے، ان درختوں کو انھوں نے پہلے دن سے اپنا دوست سمجھا، اور اسے ہمدم دیرینہ کے روپ میں قبول کیا، اسی لیے اس نے پھر طرح طرح کے درخت اگانے شروع کیے، جو اس کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بنے۔

یہی درخت جب زیادہ ہو گئے تو باغ اور باغیچے کہے جانے لگے، جہاں پر ہر طرح کے پھول، پھل، ترکاریوں کے پودے اور خوبصورتی کے لیے درخت لگائے جاتے ہیں، یہ گھروں کے سامنے کے پھیلے ہوئے وسیع صحن اور اس کے اطراف میں لگائے جا سکتے ہیں، اور تجارتی مقصد کے لیے زمین کے بڑے حصوں پر بھی۔ اس کی قسمیں الگ الگ ہو سکتی ہیں، جیسے امرود کے باغات، آم کے باغات، انار کے باغات، سیب کے باغات، پھولوں کے باغات، حسین پودوں کے باغات، یا مشترکہ باغات وغیرہ۔

ان باغیچوں میں پھولوں اور نمائش کے درخت کہیں ملے جلے ہوتے ہیں، کہیں الگ الگ، مگر ان سے عمارتوں کے حسن میں ضرور اضافہ ہوتا ہے، ان باغوں میں کہیں دل میں جوش و امنگ بھرنے والے فوارے بھی چھوٹتے رہتے ہیں، اور ان کے ارد گرد مضبوط اور پختہ دائرہ، بنا کر سیاں لگادی جاتی ہیں؛ جہاں بیٹھ کر صبح وشام کی حسین ساعتیں گزاری جاتی ہیں، یا چمکتی چاندنی میں ان فواروں کا جھلمل نظارہ کیا جاتا ہے، کہیں ان باغاوں میں فواروں کے ساتھ نہروں کا انتظام ہوتا ہے؛ جس سے اس پارک کی سینچائی کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

بعض جگہ بڑے بڑے نباتیاتی باغ ہوتے ہیں، جن میں ساری دنیا سے نادر قسم کے پودے اور درخت اکٹھا کیے جاتے ہیں،"جامع اردو انسائیکلو پیڈیا جلد ششم کے ایک اقتباس سے کچھ اضافہ کے ساتھ پیش ہے کہ" باغبانی ایک نہایت قدیم فن ہے، خوش نمائی کے لیے باغ لگانے کی رسم نہایت قدیم ہے، مصر میں بہت سے فرعون گزرے ہیں، ان میں جو بہت پرانے تھے ان کے زمانے میں بھی بڑے بڑے باغ ہوتے تھے، جنہیں چہار دیواری سے گھیر دیا جاتا تھا، عراق بہت پرانا ملک ہے، وہاں بھی گھروں کے چاروں طرف باغ لگائے جاتے تھے، اس کے ساتھ عوام کے لیے بھی باغ یا پارک بنائے جاتے تھے، اور بعض جگہ ستونوں کی مدد سے سیڑھی دار باغ تیار کیے جاتے تھے، بابل بہت پرانا شہر ہے، وہاں کے باغ بہت مشہور ہیں، لیکن ایرانیوں نے اس فن باغبانی میں کافی ترقی کی، اور اس کو ایک لطیف فن بنادیا، انھوں نے باغیچہ میں حوض بنائے، فوارے نکالے، اور نہروں اور کیاریوں کی مدد سے اسے چمن زار اور بہشت کا نمونہ بنانے کی کوشش کی۔ باغبان کو مالی کہا جاتا ہے ، اگر وہ عورت ہے تو مالن کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

قرآن میں اللہ نے بہت سے درختوں اور پھلوں کا ذکر کیا ہے ، خاص طور سے ان پھلوں کا جو اس زمانے میں عرب میں پائے جاتے تھے، جیسے کھجور، انگور، زیتون، اور دوسرے فواکہ اور میوے وغیرہ، اسی کے ساتھ اللہ نے کلام مجید میں کچھ باغات کے مالکوں کا قصہ بیان کیا ہے، جن میں سے ایک شخص ایسا تھا جس کے پاس بڑے بڑے باغ تھے، دو باغ انگور کے تھے، اور اس کے کنارے اللہ نے کھجور کے باغ بنا کر اسے گھیر دیا تھا، اس کے علاوہ اس کے اندر اور بھی غلے وغیرہ کی بڑی بڑی کھیتیاں تھیں، اور ان کے درمیان ایک بہتی نہر تھی، جس سے ان کی سیرابی کا انتظام ہوتا تھا، عام باغات کی طرح اس میں صرف موسم میں پھل نہیں آتے تھے، بلکہ سالوں سال اس میں سدا بہار پھل آیا کرتے تھے، اور کوئی درخت اس میں ایسا نہیں تھا جس میں پھل کم آتا ہو، مگر اس امیر بھائی نے اپنے فقیر بھائی پر تکبر سے کام لیا اور آخرت کا انکار کر کے کافروں میں شامل ہوگیا، اس نے اپنے بھائی کی نصیحت کا ذرا بھی دھیان نہیں دیا، جب کہ اس کا بھائی کہا کرتا تھا کہ اگر تو نے میری بات نہیں مانی تو اللہ پاک کبھی ناراض ہو کر تمہارا یہ سارا باغ تہس نہس کردے گا، مگر وہ اسے مذاق سمجھتا رہا، آخر ایک دن اللہ نے اس کے اوپر عذاب کا ایسا جھاڑو پھرادیا، اس کے انگور کے ہرے بھرے باغ جو پھلوں سے ہمیشہ لدے رہا کرتے تھے؛ اچانک زمین بوس ہوگئے، کھجور اور دوسرے پھل فروٹ اور کھیتیاں پل بھر میں تباہ و برباد ہوگئیں، اس کے دوست اس سے کنارہ کش ہوگئے، کوئی اس کی خبر گیری کو نہیں آیا، سارا مال ختم ہوگیا، اب اس کے پاس سوائے شرمندگی اور پچھتاوے کے کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ اس نے اللہ اور بندوں کے حقوق بالکل ادا نہ کیے، نہ ہی اپنے محتاج بھائی کی کوئی مدد کی، ناشکری کا یہی انجام ہوتا ہے۔

عرب کی تاریخ میں باغات لگانے کا رواج تھا، یمن میں قوم سبا کے بہت بڑے بڑے باغات تھے، ان کو اللہ نے اتنا نوازا تھا کہ مسافر جب سفر کرتا تھا تو اس کے راستے کے دائیں اور بائیں ہرے بھرے باغات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا، اس کا ذکر قرآن میں بھی ہے، اللہ نے کہا تھا کہ ان میں سے خوب کھاؤ پیو اور اللہ کا شکر ادا کرو، اور اپنے رب سے گناہوں پر معافی مانگا کرو، انھوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ ناشکری کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ بھی کوئی سفر ہوا؟ جیسے ہم اس گھر سے اُس گھر میں جا رہے ہوں، کیونکہ ان کے لیے ہر منزل اور ہر جگہ رکنے ٹھہرنے اور کھانے پینے کا معقول انتظام موجود رہتا تھا، انھی کے زمانے کی یہ بات ہے کہ اگر کوئی شخص خالی ٹوکری سر پر رکھ کر گزر جائے تو کچھ

دیر میں پھلوں سے بھر جائے، مگر ان کو شرارت سوجھی، ایک دن کہنے لگے کہ بھلا یہ کیسا سفر؟ اے خدا! ہمارے سفر کی منزلیں دور دور کردے، اور یہ سب راحتیں ختم کردے، تاکہ ہمیں سفر کی مشقت کا علم ہو، بس پھر کیا تھا؟ ایسا سیلاب آیا کہ ان کی عقلیں حیران رہ گئیں، جن پلوں اور نہروں سے وہ سنچائی کیا کرتے تھے، جن سے انھیں شادابی نصیب ہوئی تھی، وہی ان کی تباہی کا ذریعہ بن گئی، ان کے مکانات تباہ ہوگئے، اور ان کے حسین و جمیل ہرے بھرے باغات کی جگہ چند جھڑبیریوں کے درخت اور کانٹے دار پودے رہ گئے، پھل دار درختوں کی ساری قطاریں ویران ہوگئیں۔ اللہ نے فرمایا کہ انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، ہم نے نہیں۔

مدینہ میں کھجور کے بڑے بڑے باغات تھے، اگر چہ اس کے درخت شاخ دار اور پھیلے ہوئے نہیں ہوتے، مگر وہ اتنے قریب قریب لگائے جاتے کہ ان میں حسن پیدا ہو جاتا تھا، یہی ان کی آمدنی کا ذریعہ تھا، دوسری صدی ہجری میں جب عربوں کے تعلقات میں وسعت آئی تو رفتہ رفتہ ان کے یہاں بھی فن باغبانی نے قدم جمائے، تاریخ میں لکھا ہے کہ پھر انھوں نے یورپ کو بھی فن باغبانی سے روشناس کرایا۔

ہندوستان نہایت قدیم ملک ہے، بلکہ قدیم متحدہ ہندوستان میں حضرت آدم کے اترنے کا ذکر بھی ملتا ہے، یہاں بھی طویل زمانے سے قدرتی باغیچوں کا رواج تھا، جس میں درختوں کو قدرتی ماحول میں اگنے دیا جاتا، جگہ جگہ خوشبو بکھیرنے والے درخت لگائے جاتے، ان کی ترتیب اس طرح ہوتی کہ رنگا رنگ درختوں سے ایک طرف ماحول حسین ہوجاتا، دوسری طرف فضا معطر ہوجاتی، بدھ مت کے لوگ اس فن باغبانی کو چین لے کر گئے، جہاں سے یہ فن جاپان پہنچا، جاپان کے لوگ اگر چہ چھوٹے قد کے ہوتے ہیں مگر بہت ذہین اور محنتی ہوتے ہیں، اور کم جگہ میں بہت سی چیزیں تیار کرنے کے فن میں مشہور ہیں، جاپان نے اس فن کو اپنے ماحول کے لحاظ سے ڈھال لیا، جس میں تھوڑی سی جگہ میں زیادہ سے زیادہ حسن پیدا کیا جاتا ہے، انھوں نے درختوں کی چھوٹی قسمیں تیار کیں، ان کو خاص طریقہ پر لگا کر بڑا حسن پیدا کیا، وہ لوگ اپنے باغیچوں میں چھوٹے بڑے ٹیلے اور نہایت چھوٹے خوبصورت قدرتی تالابوں سے بھی کام لیتے ہیں، پھولوں کی سجاوٹ میں؛ خاص طور پر مکانوں، چھوٹے باغیچوں اور مکانوں کے اندر کے حصوں کو پھلوں اور پودوں سے سجانے میں آج کوئی قوم جاپان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ جامع اردو انسائیکلوپیڈیا۔

مگر ہندوستان کے مسلم سلاطین نے بھی اس فن میں کافی ترقیاں کیں، انھوں نے ہندوستان میں شجر کی پیوندکاری کا آغاز کیا، کشمیر میں باغبانی کا سرکاری افسر محمد قلی افشار تھا، اس نے اس فن میں خوب جوہر دکھائے، مغلوں کو باغوں سے بڑی دلچسپی رہی، انھوں نے ہزاروں ہزار باغات لگوائے، جن کے نام اب بھی کتابوں میں ملتے ہیں۔ وہ اپنے محلوں، مقبروں وغیرہ میں جو باغیچے بنواتے اسے فواروں اور کیاریوں وغیرہ سے سجاتے، انھوں نے باغیچوں کا ایک اسٹائل نکالا تھا، جو مغل اسٹائل کے نام سے مشہور ہے۔

باغ بانی ایک خوبصورت فن ہے، جس سے مکانوں اور صحن کی آرائش وزیبائش کی جاتی ہے، اس سے جہاں ماحول صاف، معطر ہوتا ہے، وہیں حسن وجمال کے ساتھ آلودگی بھی دور رہتی ہے، اس کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی جاتی ہے، اس فن میں جو ماہر ہوتا ہے وہ کسی بھی گارڈن اور پارک کو اچھے انداز میں سنوار کر اسے تفریح کے قابل بنا دیتا ہے، آج اٹلی، پرتگال، ہالینڈ اور فرانس کے باغیچے اور وہاں کے ماہرین فن باغیچوں کو آراستہ کرنے کے لیے نئے طریقے ایجاد کررہے ہیں اور خوبصورت پھولوں، پھلوں اور پودوں کی نئی نئی قسمیں تیار کررہے ہیں، ہندوستان میں موجودہ دور میں فن تعمیر میں نئے نئے طریقوں اور مسالوں کے استعمال کے ساتھ باغیچے لگانے کا فن بھی کافی ترقی کرچکا ہے، اور یہاں بھی جدید طرز کے بڑے بڑے پارکوں اور پبلک باغیچوں اور نہروں سے ہندوستان شاداب ہورہا ہے:

گودی میں کھیلتی ہیں جن سے ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا

ڈاکٹر ارشد جمیل۔اسسٹنٹ پروفیسر (گیسٹ)، یدونندن کالج، دگھواڑہ، چھپرا

جاں نثار اختر کے ''گھر آنگن'' کی عورت

اردو شاعری کا مزاج ابتدا سے ہی کچھ ایسا رہا ہے کہ یہ تصورات اور تخیلات کی آسمانوں پر اڑانیں بھرتی رہی، زمین سے اس کے قدم اکھڑے اکھڑے سے رہے۔ایک عرصے تک عورت کو صرف جنسی تعلقات کی نظر سے ہی دیکھا جاتا رہا، اس پر بے وفائی کا الزام لگانے والے مرد شعراء نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ در حقیقت بے وفائی تو خود انھوں نے عورت ذات سے کی ہے، صرف بیوفائی ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی تک کی ہے۔ مجموعی طور پر اردو غزل کی عورت کا جو تصور عام قاری کے ذہن پر ابھرتا ہے وہ یہ کہ عورت ایک انتہائی خوبصورت شئے ہے جسے اپنے حسن پر غرور کی حد تک ناز ہے، اس کے عشق میں ہزاروں لوگ تڑپ رہے ہیں، اس کی ایک ایک ادا پر جان نچھاور کر رہے ہیں۔غرض یہ کہ یہ عورت صرف بازاری عورت ہے جس کے بارے میں آپ جو چاہے کہیئے، جیسے جذبات کا اظہار آپ کو پسند ہو کیجئے، اس پر دل پھینکئے، اس سے لپٹ جانے کی جسارت کیجئے، اس پر دل و جان سے قربان ہو جایئے، جیتے جی مر جایئے یا مرنے کی تمنا میں زندہ رہ جایئے۔جب کہ اس کے برعکس ریختی شاعری میں جس عورت کا تصور موجود ہے وہ عورت بازاری عورت نہیں ہے لیکن ریختی شاعری کی یہ عورت بیوی بھی نہیں ہے۔ریختی شاعری میں عورت کی زبان، عورتوں کا روزمرہ، عورتوں کی چھیڑ چھاڑ، عورتوں کا ڈھول دھپہ تو موجود ہے لیکن اس کی ازدواجی زندگی یہاں بھی ناپید ہے۔اردو مرثیے میں پہلی بار عورت مرد کی بھوکی نگاہوں سے نکل کر اس کے خون کے رشتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے، اردو شاعری کو پہلی بار بیوی، ماں اور بہن کا تصور صنف مرثیہ نے ہی عطا کیا۔لیکن یہ عورتیں بھی تاریخی عورتیں ہیں جن کو ہم عقیدت اور احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں، محبت کی نظر سے نہیں۔یہ عورتیں یا عورت کا یہ روپ ہمارے لیے احترام کے قابل ہے پیار کے قابل نہیں۔جاں نثار اختر نے پہلی بار اردو شاعری کو گھر آنگن میں اتارا ہے اور یہ گھر آنگن جس عورت کا ہے اس کا کوئی مذہب نہیں ہے وہ بیوی ہے صرف ایک بیوی جو کسی ہندو کی بھی ہو سکتی ہے یا کسی مسلمان کی بھی، اس کا گھر ہی اس کے لیے جنت ہے اور اس کے شوہر کی محبت ہی اس کے لیے سب سے بڑی دولت ہے۔

جاں نثار اختر نے یہاں روایت سے انحراف کیا ہے بلکہ انہوں نے ایک نئی روایت کو جنم دیا ہے۔اردو شاعری میں گھر آنگن کی شاعری بہت کم رہی ہے عجیب بات ہے کہ شاعر اپنی محبوبہ کو جنگل جنگل صحرا صحرا تلاش تو کرتا رہا مگر کبھی وہ اس کو تلاش کرنے وہاں نہیں گیا جہاں وہ پائی جاتی ہے یعنی اپنے گھر آنگن میں۔اردو شاعری میں اس موضوع سے بے رخی برتنے کی ایک عادت سی رہی ہے۔ریختی کو میں گھر آنگن کی شاعری نہیں کہوں گا کیوں کہ اس میں زیادہ زور عورت کی زبان کے چٹخارے پن پر ہے، نظر جنسی مسائل پر ہے جنھیں بالعموم نچلی سطح سے دیکھا گیا ہے اس لیے مجھے ریختی میں عورت کی عظمت کے بجائے اس کی رکاکت کا احساس ہوتا ہے۔عام طور پر شاعروں اور ادیبوں نے بیوی اور محبوب کو الگ الگ حیثیت دی ہے بلکہ بیوی کو تو ایک سرے سے ہی قابل قدر نہیں گردانا ہے۔ناول نگار بھی اپنا ناول وہاں ختم کر دیتے ہیں جہاں پر محبوبہ بیوی بن جاتی ہے۔جاں نثار اختر نے ''گھر آنگن'' میں اس

بات کو وہیں سے شروع کیا ہے جہاں اکثر ناول نگار اور افسانہ نگار اپنا افسانہ یا ناول ختم کر دیتے ہیں۔ لیکن جاں نثار اختر کے لیے وہی ابتدا ہے ازدواجی زندگی کے سکھ دکھ، باہمی رفاقت، پیار اور محبت کا گہرا گداز جس سے اس دنیا کے کروڑوں گھر ایک خوبصورت زندگی سے جگمگاتے ہیں، جنھیں اکثر شاعر و ادیب خاطر میں نہیں لاتے اور نہ ہی اسے اپنی شاعری میں جگہ دیتے ہیں۔ یہی اصل میں جاں نثار اختر کے گھر آنگن کا موضوع ہے جہاں میاں اور بیوی ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹ کر جیتے ہیں۔ عورت رہتی تو گھر آنگن میں ہے لیکن اس کی وفا، ایثار اور خدمت کا نور کائنات کا ہالہ کیے رہتا ہے، ایسا کرنے میں عورت کے کسی جذبے یا سوچے سمجھے پلان کا دخل نہیں ہوتا کیوں کہ اس کا گھر ہی اس کا وطن ہوتا ہے، اس کا شوہر اس کا عقیدہ ہوتا ہے، اس کے بچے اس کا کارنامہ ہوتے ہیں اور اس طرح عورت کی چھوٹی سی زندگی اپنے محدود دائرے میں ایسی بے پناہ خوشیاں محفوظ رکھتی ہے جس کا مرد کبھی اعتراف نہیں کرتا، حالانکہ گھر آنگن کا سکھ صرف گھر آنگن میں ہی میسر ہوتا ہے۔ درج ذیل بند ملاحظہ فرمائیں۔

میں ان کا سکھی ہات بٹا سکتی ہوں
حالات کو ہموار بنا سکتی ہوں
وہ بوجھ اٹھائیں گے اکیلے کب تک
میں خود بھی تو کچھ بوجھ اٹھا سکتی ہوں

گھریلو عورت سوسائٹی گرل کی طرح صرف مصنوعی مسکراہٹ ہی نہیں بکھیرتی وہ تو ہنستے ہنستے جھگڑنے لگتی ہے، روتے روتے مسکرانے لگتی ہے، غصے میں بپھر جاتی ہے، پیار میں مٹ جاتی ہے، دو دو پیسے کے لیے کبھی سارے گھر کو سر پر اٹھا لیتی ہے اور کبھی بڑی سے بڑی رقم کو بھی خاطر میں نہیں لاتی ایسی عورت کا پیار حاصل کرنے کے لیے مرد کو کسی ہوٹل میں کمرہ نہیں بک کرانا پڑتا۔ بلکہ جاں نثار اختر کے گھر آنگن کی عورت تو منھ اندھیرے کپڑے سمیٹتے اٹھتی ہے بلکہ اسے اپنے میک اپ سے پہلے چولہا جلانا ہوتا ہے اور اپنے شوہر کے کپڑوں پر استری کرنا ہوتا ہے، وہ مشین پر کپڑے سینے بیٹھتی ہے اور جب شوہر سے گھر کے خرچ پر جھگڑتی ہے تو گھریلو زندگی کی داستان میں ایک نئے باب کا آغاز کرتی ہے، یہ سب وہ صرف اس لیے کرتی ہے کہ آرام کی زندگی بسر کرنے میں مالی مجبوریاں حائل ہوتی ہیں۔ وہ کسی سے کچھ مانگتی نہیں ہے صرف اپنی خدمت اور ہنرمندی کا نور بانٹتی ہے اور اسی میں سکون پاتی ہے، اپنے گھر آنگن کو محفوظ کرنے کے لیے عورت کیا کچھ کر نہیں گزرتی یہ نیک بخت بیوی شوہر کے قرب کی خوشبو کو زلفوں میں سمیٹ کر صبح سویرے اٹھ کر نہاتی ہے، دن بھر گھر گرہستی کے کاموں میں مصروف رہتی ہے، سینا پرونا کرتی ہے، ہانڈی روٹی کا اہتمام کرتی ہے، شوہر کی راتوں کو سپردگی سے جگمگاتی ہے، اس کے ہاتھوں گدگدایا جانا چاہتی ہے، اس کے لمس کو بے قرار ہوتی ہے۔ یہ ہندوستانی عورت مرد کو صرف اپنا مانتی ہے اور خالص اسی کی ہو کر رہنا چاہتی ہے، جس گھر میں اس کی ڈولی آتی ہے وہاں سے ہی وہ اپنا جنازہ نکلنے کی تمنا کرتی ہے، شوہر کے اداس لمحوں کو اپنی مسکراہٹوں سے سجانے سنوارنے والی اس پر جان چھڑکتی ہوئی آسمان جیسا بڑا دل لیے ہوئے یہ عورت مرد کے جسم کو صرف ایک بیوی ہی نہیں عطا کرتی بلکہ اس کے اندر کی چنچلتا کو ماں کا پیار بھی عطا کرتی ہے۔ درج بالا ان تمام خوبیوں کا حسین امتزاج مندرجہ ذیل بند میں ملاحظہ کریں۔

ہر ایک مصیبت سے بچانے کو تمھیں
ہر طرح کی بات خود پہ لے سکتی ہوں
کہتی ہے کبھی کبھی تو یوں لگتا ہے
میں ماں کا پیار بھی تمھیں دے سکتی ہوں

عورت کی ان تمام خوبیوں کے باوجود ہمارے شعراء کی توجہ کبھی اس جانب نہیں گئی کہ عورت کا یہ روپ بھی اس قدر خوبصورت ہو سکتا ہے جو بیوی کا روپ کہلاتا ہے۔ اردو شاعری کی اس کمی کو گھر آنگن نے پورا کیا ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کہ اس کی دنیا صرف گھر آنگن تک محدود ہے لیکن یہ آنگن محبت اور وفا کی خوشبوؤں سے مہکا ہوا ہے اس میں عورت کا وہ روپ سامنے آتا ہے جو آرام اور تصنع سے بے نیاز پیار اور وفا کا مجسمہ ہے۔ گھر آنگن کی عورت ایک جانب تو وفا اور ایثار کی دیوی

کا دوسرا روپ ہے جو آگ کے شعلوں سے گزر کر موت سے بھی اپنا سہاگ چھیننے کا عزم رکھتی ہے جو حالات کو ہموار بنانے اور اپنے جیون ساتھی کا بوجھ اٹھانے کا حوصلہ رکھتی ہے اور اس کی محبت حاصل کرنے کے لیے ہر تپسیا اور تیاگ کو تیار رہتی ہے اس کا ایک خوبصورت نمونہ درج ذیل شعر میں ملاحظہ فرمائیں۔

جیسے بھی ہوا گذر بسر کر لوں گی
تم میرے ہو یہ کم نہیں میری تسکین
نیچا نہ کروں گی خود کو سب کے آگے
اس میں نظر آتی ہے تمھاری توہین

بیوی کی محبت میں بھی کئی طرح کے رنگ شامل ہوتے ہیں وہ شوہر کی ذہنی، فکری اور جسمانی رفاقت بھی کرتی ہے اور اسے ایک ماں یا بہن کی بے لوث محبت کی طرح کا پیار بھی دے سکتی ہے خاص طور پر ماں کا پیار جو دنیا میں اپنی مثال آپ ہے جس میں کوئی لالچ یا صلہ نہیں ہوتا۔ زیرلب میں صفیہ اپنے پریشان حال شوہر کو تسلی دیتے ہوئے اپنے بے لوث پیار کا اظہار بار بار کچھ اس طرح سے کرتی ہے درج ذیل شعر ملاحظہ کریں۔

میں ہی نہ بتاؤں گی اگر غم ان کا
غم ان کا بھلا کون بتائے گا سکھی
میں ہی نہ اگر انھیں بڑھاوا دوں گی
ہے کون جو ان کا دل بڑھائے گا سکھی

گھر آنگن کی رباعیوں میں ہندوستانی عورت کا وہ روپ نظر آتا ہے جسے اپنے گھر کا ہر کام کرنے میں روحانی مسرت اور تسکین ملتی ہے۔ صفیہ نے جاں نثار کو نہ صرف ذہنی رفاقت دی بلکہ انھیں ذہنی طور پر متاثر بھی کیا بلکہ جاں نثر اختر کو جینے اور مرنے کا سلیقہ صفیہ ہی نے سکھایا کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

نہ کچھ ہم ہنس کے سیکھے ہیں، نہ کچھ ہم رو کے سیکھے ہیں
جو کچھ تھوڑا سا سیکھے ہیں، تمھارے ہو کے سیکھے ہیں

گھر آنگن کی رباعیوں میں سوانح عمری کا انداز موجود ہے اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شاعر کے اپنے دل کی آواز اور اس کی اپنی زندگی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے جس میں خاص طور سے صفیہ اختر کے وہ خطوط ہیں جو ''زیرلب'' کے نام سے چھپ چکے ہیں جن میں جاں نثار اختر اور صفیہ اختر کی شخصیت، ان کا ذہن وفکر ان کی جان لیوا بیماری، جاں نثار اختر سے اٹوٹ محبت اور عقیدت، ہجر وفراق کے تذکرے زندگی کے سلسلے کو برقرار رکھنے کے لیے ذریعہ معاش کی پریشانیاں ،حالات کی ستم ظریفیاں اور زمانے کی شکایات کے ساتھ انسانی ہمدردی اور لگاؤ کا تذکرہ یہ تمام باتیں زیرلب میں موجود ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام باتوں کی بنیاد پر کئی رباعیاں جاں نثار اختر نے نظم کی ہیں۔ صفیہ کے ساتھ خدیجہ اختر جنھیں جاں نثار اختر صفیہ کا دوسرا روپ کہتے ہیں ان رباعیوں کی فضا میں سانس لیتی ہوئی نظر آتی ہیں خاص طور سے صفیہ اختر کے احساسات اور جذبات کی آواز بار بار اپنی جانب متوجہ کرتی ہے۔

گھریلو زندگی کی ہر آن بدلتی ہوئی ایسی سینکڑوں تصویریں ہیں جو آپ کو جاں نثار اختر کی شاعری کے دامن میں جھلملاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جاں نثار اختر لائق تحسین وتوصیف ہیں کہ انہوں نے ہندوستانی دماغ کو ایک نئی فکر عطا کی اور ہندوستانی عورت کو ایک نیا رتبہ اور مقام عطا کیا، ان کا یہ نیا تجربہ ،اچھوتا مضمون اور دلچسپ انداز بیان اردو شاعری اور تفکر کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، جس کی اتباع اور پیروی کی سخت ضرورت ہے تا کہ اردو ادب اس نئے مضمون سے مالا مال ہو سکے اور شادی شدہ حضرات کو بے کیف زندگی میں کیف کا سامان نصیب ہو سکے۔ جی چاہتا ہے آپ کو کچھ اور رباعیات سناؤں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کون سی رباعی پیش کروں اور کون سی چھوڑ دوں شاید ہی کوئی رباعی ایسی ہوگی جو دامن پکڑ کر نہیں کھڑی ہو جاتی اور یہ نہ کہتی ہو کہ پہلے مجھ سے انصاف کر لو پھر آگے بڑھ جانا بہر کیف مضمون کی طوالت کی خوف سے میں اکتفا کرتا ہوں۔ آپ خود ہی گھر آنگن کا مطالعہ کیجیے اور پھر دل پر ہاتھ رکھ کر خود ہی فیصلہ کیجیے کہ میرے بیان میں کہیں مبالغہ سے تو کام نہیں لیا گیا ہے۔

احمد نور عینی ۔ پی ایچ ڈی اسکالر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد

ملک کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے قرآن کا دس نکاتی پیغام
(سورہ شوری کی آیت نمبر ۱۵ کے حوالے سے)

ملک کے موجودہ حالات کسی اہل نظر سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں، گذشتہ چند سالوں میں اور خاص کر بی جے پی کی گذشتہ میعاد میں جو کچھ ہوا وہ مسلمانوں کے لیے کافی پریشان کن اور صبر آزما رہا ہے، اور اب جب کہ بی جے پی دوسری میعاد کے لیے بھی فتح یاب ہو چکی ہے حالات کے دگر گوں ہونے کا اندیشہ اور قوی ہو چکا ہے، اس فتح کو آر ایس ایس کی فتح تصور کیا جا رہا ہے، اور آر ایس ایس کی فتح ظاہر ہے اس ملک کے لیے کوئی فال نیک نہیں ہے، کیوں کہ اس تنظیم کا مقصد ہی بھارت دیش کو دیگر تہذیبوں سے پاک کرنا اور ہندو راشٹر قائم کرنا ہے۔ گذشتہ چند سالوں سے جو کچھ ہو رہا ہے اس کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شر پسند عناصر پر امن ماحول کو بگاڑنا چاہتے ہیں، بھڑکیلے بیانات کے ذریعہ نفرت کا بازار گرم کیا جا رہا ہے، اسلام مخالف نظریات کو منوانے کی کوشش کی جا رہی ہے، وندے ماترم گانے اور سوریہ نمسکار کرنے کو دیش بھکتی کی علامت قرار دیا جا رہا ہے، مسلمان کی دیش بھکتی پر سوالات کھڑے کیے جا رہے رہیں، اسلامی شعائر کے خلاف آواز اٹھائی جا رہی ہے، مسلم پرسنل لاز کو ختم کرنے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں، عورت سے ہمدردی کے نام پر اسلام کے خاندانی نظام اور عائلی قوانین میں تبدیلی کے مطالبے کیے جا رہے ہیں، مختلف بہانوں سے مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، گائے کے تحفظ کے بہانے مسلمانوں پر قاتلانہ حملے کیے جا رہے ہیں، موب لنچنگ میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، غرض کہ حالات مسلسل بگڑتے جا رہے ہیں، اور خاص کر مسلم امت کے لیے صبر آزما اور پریشان کن ہوتے جا رہے ہیں۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا یہ ایمان ہے کہ قرآن کریم میں قیامت تک کے لیے رہنمائی موجود ہے؛ لہذا موجودہ حالات کے تناظر میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اگر ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو قرآن کی کئی آیتیں ہماری رہنمائی کرتی نظر آتی ہیں، میں ان میں سے صرف ایک آیت کو لیتا ہوں، یہ سورہ شوری کی آیت نمبر ۱۵ ہے، اس آیت کے الفاظ یوں ہیں:

﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴾ (شوری: ۱۵)

تو آپ اسی دین کی طرف بلاتے رہیے، اور آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسی پر قائم رہیے، ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے، اور کہہ دیجیے کہ اللہ نے جو کتاب بھی اتاری ہے میں اس پر ایمان لایا، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہمارے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی، ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال کی ذمہ داری تم پر ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث وتکرار نہیں، اللہ ہم سب کو (قیامت کے دن)

اکٹھا کریں گے، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔(آسان تفسیر قرآن مجید: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)

یہ آیت مکی دور میں نازل ہوئی، سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مکی دور میں مسلمانوں کو کس طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑا، یہ وہ دور ہے جس میں مسلمانوں کو طرح طرح سے ستایا جاتا،کلمہ پڑھنے والے کو تپتی زمین پر لٹایا جاتا، مکہ کی گرم ریت پر سلایا جاتا، خدا کے رسول کا برملا مذاق اڑایا جاتا، راستے میں کانٹے بچھائے جاتے، قتل کی دھمکیاں دی جاتیں، قاتلانہ حملے کیے جاتے، خاندان سے بائیکاٹ کردیا جاتا، معاشی طور پر پستہ حال کردیا جاتا اور سماجی سطح پر اچھوت بنادیا جاتا، ایسے دور میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوتی ہے اور مسلمانوں کو یہ پیغام دیتی ہے کہ اے مسلمانو! یقیناً حالات بہت سنگین ہیں، بلاشبہ صورتحال بہت ناساز گار ہے، سچ ہے کہ پوری فضا تمہارے خلاف ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ مشرکین کا اکثریتی طبقہ تمھیں مٹانے پر تلا ہوا ہے، مگر ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ بل کہ تمھیں خدا کے اس دس نکاتی پیغام پر عمل کرنا ہے جو اس آیت میں تمھیں بتایا گیا ہے۔

سورہ شوریٰ کی اس آیت میں مسلمانوں سے دس باتیں کہیں گئی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانا: ﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ﴾ (تو آپ اسی دین کی طرف بلاتے رہیے) مسلمانوں کو اسلام کی دعوت وتبلیغ کی طرف پوری توجہ دینی چاہیے، اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانا چاہیے، گذشتہ دور کے تمام انبیا ورسل اسی کام کے لیے مبعوث کیے گئے، ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آنے والا ہے، لہذا اب یہ کام امت مسلمہ کو انجام دینا ہوگا، یہی وہ کام ہے جس کے لیے اس امت کو برپا کیا گیا ہے؛ چناں چہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ (ال عمران:۱۱۰)

(تم وہ بہترین امت ہو جو پوری انسانیت کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور اللہ پر ایمان رکھو)

اللہ کو ایک ماننے اور ایک اللہ کی عبادت کرنے سے بڑھ کر کونسا معروف ہوسکتا ہے، اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے بڑھ کر کونسا منکر ہوسکتا ہے؟! صحابہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ اس امت کو اس کام کے لیے مبعوث کیا گیا ہے؛ چناں چہ رستم کے دربار میں حضرت ربعی بن عامرؓ نے بلاخوف وخطر اس حقیقت کا اظہار کیا تھا کہ ہمیں اللہ نے بھیجا ہے تاکہ ہم اللہ کی مرضی کے مطابق بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکالیں اور ایک اللہ کی بندگی کی طرف لائیں۔ حضرت ربعی بن عامرؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہمیں حضرت عمرؓ نے بھیجا ہے؛ بل کہ فرمایا کہ ہمیں اللہ نے بھیجا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اللہ نے دعوت کے کام کے لیے برپا کیا ہے، مسلمان جب دعوت کا فریضہ انجام دیں گے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ خود دشمنوں سے بدلہ لینے کے لیے کافی ہوجائے گا۔

(۲) دین پر ثابت قدم رہنا: ﴿ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ﴾ (ور آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسی پر قائم رہیے) مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں دین پر ثابت قدم رہیں، حالات خواہ کتنے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں ان کے پاؤں لڑکھڑانے نہیں چاہئیں، خواہ کیسی ہی آزمائش کیوں نہ آجائے ان کے قدم پیچھے نہیں ہٹنے چاہئیں، خواہ کیسی ہی سنگین صورتحال کیوں نہ ہو اسلامی شریعت ان کے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، خوف ومایوسی کو کسی بھی صورت اپنے دل میں جگہ نہ دیں؛ بل کہ ظلم وستم کے طوفان کے آگے چٹان کی طرح ڈٹ جائیں۔

(۳) کفار ومشرکین کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا: ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ﴾ (ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے)

اسلام دشمن طاقتیں اپنے نظریات تھوپنا چاہیں گی ، اپنی تہذیب وثقافت تم پر مسلط کرنا چاہیں گی ، اسلام مخالف قوانین تم پر لاگو کرنا چاہیں گی ، اسلام کے عائلی قوانین میں اپنی خواہش کے مطابق ترمیم کریں گی ، شرکیہ شعائر اختیار کرنے پر مجبور کریں گی ؛ مگر مسلمانوں کو ان کی باتوں میں نہیں آنا ہے ، ان کے کہے پر نہیں چلنا ہے ، ان کے مطالبات ٹھکرا دینا ہے ، ان کے نظریات وخیالات اور شرکیہ شعائر قبول کرنے سے انکار کر دینا ہے۔

(۴) اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لانا: ﴿ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ ﴾ (اور کہہ دیجیے کہ اللہ نے جو کتاب بھی اتاری ہے میں اس پر ایمان لایا) مسلمانوں کی دعوت اگر وہ قبول نہ کریں یا مسلمانوں پر وضعی قوانین ماننے پر مجبور کریں تو مسلمانوں کا یہ کام ہے کہ وہ یہ اعلان کر دیں کہ اگر تم ہماری دعوت قبول نہیں کرتے تو ہم تمھیں خوش کرنے کے لیے اپنے ایمان میں کوئی خرابی پیدا نہیں کریں گے ؛ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کے احکام ہی حق ہیں ، اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب خواہ وہ کسی نبی پر بھی نازل ہوئی ہو حق ہے ، اسی طرح اگر تم ہمیں اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت چھوڑنے کی بات کرتے ہو تو سن لو کہ ہم اللہ کی کتاب پر اور اس کی شریعت پر ایمان رکھتے ہیں ، ہم اللہ کی کتاب اور اس کے فرمان کو کسی صورت نہیں چھوڑ سکتے۔

(۵) عدل قائم کرنا: ﴿ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ﴾ (اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں) مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عدل وانصاف قائم کریں ، ذاتی زندگی ہو یا خاندانی ، سماجی زندگی ہو یا ادارہ جاتی ، سیاسی زندگی یا تجارتی ہر جگہ انصاف سے کام لیں ، دشمنوں کی دشمنی بھی انہیں حق سے روکنے نہ پائے ، جس کی بات حق ہو اس کا ساتھ دیں خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو ، اور جس کی بات حق کے خلاف ہو اس کا ساتھ نہ دیں خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ، عصبیت ، علاقہ واریت اور جاتی واد سے اپنے کو دور رکھ کر حق کی تائید کریں ، ہندوستان جیسا ملک جہاں کی فضا جاتی واد اور دیگر عصبیتوں سے ابھی بھی آلودہ ہے وہاں اگر مسلمان تمام عصبیتوں سے اوپر اٹھ کر انسانیت کی بنیاد پر حق کا ساتھ دیں اور ہر شعبۂ حیات میں عدل قائم کریں تو اس کا سماج پر بہت گہرا اور مثبت اثر پڑے گا۔

(۶) رب کی وحدانیت کا اعلان کرنا: ﴿ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ﴾ (اللہ ہمارے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی) آیت کا یہ حصہ بھی دراصل دعوت سے تعلق رکھتا ہے ، اس کی روشنی میں مسلمانوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ مسلمان برادران وطن کو یہ سمجھائیں کہ ہم سب کا رب اور پالنہار ایک ہی ہے ، رب کی وحدانیت سمجھانے کے لیے عقلی دلائل کا بھی سہارا لیا جا سکتا ہے ، سائنسی تحقیقات کی مدد لے کر کائنات میں غور کرنے کی دعوت بھی دی جاسکتی ہے ، اور ان کی مذہبی کتابوں کے ذریعہ بھی انھیں رب کے ایک ہونے کی بات بتائی جاسکتی ہے ، برادران وطن کی مذہبی کتابوں اور خاص گرویدوں میں رب اور الہ کی وحدانیت کا تصور موجود ہے ، یہ اور بات ہے کہ مذہبی ٹھیکیداروں کے تصرفات نے اس تصور کو دھندلا کر دیا ہے ؛ لیکن اگر حکمت اور مطالعہ کے ساتھ بات رکھی جائے تو ان کی کتابوں سے وحدانیت کا تصور ثابت کیا جاسکتا ہے۔ آیت کے اس حصہ سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ اسلام دشمن عناصر خواہ کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہو جائیں مسلمانوں کو ڈرنا اور گھبرانا نہیں چاہیے ؛ کیوں کہ ہم سب کا پالنے والا اور پیدائش سے لے کر موت تک ضروریات زندگی فراہم کرنے والا وہ ایک اللہ ہے جس کی طاقت دنیا کی ساری طاقتوں سے بڑھ کر ہے۔

(۷) جبر وتشدد سے اجتناب کرنا اور شرکیہ اعمال سے بیزاری کا اظہار کرنا: ﴿ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ﴾ (ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال کی ذمہ داری تم پر ہے) اپنی طرف سے کسی کوتاہی کو راہ دیے بغیر دعوت کا کام انجام دینے کے باوجود اگر وہ لوگ ایمان نہ لائیں تو ان کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کی اجازت نہیں ہے ،

اور محض اس وجہ سے کہ انھوں نے ہماری دعوت قبول نہیں کی ان سے معاندانہ تعلقات قائم کرنا بھی حکمت و مصلحت کے خلاف ہے؛ بل کہ ان سے کہہ دینا چاہیے کہ ہمارا کام ہم سب کے مالک کا پیغام آپ تک پہنچانا تھا سو ہم نے پہنچا دیا، اب اگر آپ ہماری بات قبول نہیں کرتے تو آپ اپنے عمل کے خود ذمہ دار ہیں، آپ جو چاہیں عمل کریں ہم آپ کے مذہبی عمل میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ اسی طرح اس آیت میں یہ مفہوم بھی پوشیدہ ہے کہ ہم آپ کو خوش کرنے کے لیے اپنے ایمان کا سودا نہیں کرسکتے، آپ کے شرکیہ اور کفریہ اعمال کے آپ خود ذمہ دار ہیں ہم ایسے اعمال سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

(۸) کٹ حجتی سے گریز کرنا: ﴿ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ (ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث وتکرار نہیں) مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ پیغمبرانہ منہج پر عقلی اور منطقی طرز استدلال کی بنیاد پر سلجھے ہوئے سنجیدہ اسلوب میں حکمت وموعظت حسنہ اور مجادلۂ احسن کے ذریعہ برادران وطن کو دین حق کی دعوت دینے کا کام انجام دیں، اور اگر اس کے باوجود کوئی کٹ حجتی پر اتر جائے تو اس سے ہرگز نہ الجھیں؛ کیوں کہ ایسے لوگوں سے بحث کرکے کوئی فائدہ نہیں؛ بل کہ الٹا نقصان ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ ایسے لوگ بحث اس انداز سے کریں گے اور بحث کو ایسے رخ پر لے کے جائیں گے کہ آپس میں نفرتیں بڑھیں گی، لوگ ایک دوسرے سے بدظن ہوں گے۔

(۹) حساب کتاب کے دن سے باخبر کرنا: ﴿ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ﴾ (اللہ ہم سب کو (قیامت کے دن) اکٹھا کریں گے) مدعو قوم کو اس بات سے بھی باخبر کرنا ہے کہ اگر تم اس دنیا ہماری دعوت کو جھٹلاتے ہو اور ہمارے پیغام کو ٹھکراتے ہو تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے، نقصان تو تمہارا ہی ہے، ایک دن آئے گا کہ اللہ ہم سب کو میدان حشر میں جمع کریں گے اس دن معلوم ہوجائے گا کون ہدایت پر تھا اور کون گمراہی پر، جس نے اس کے دین کو قبول کیا ہوگا وہ نجات پائے گا اور جس نے اس کے دین کو رد کیا ہوگا وہ نقصان اٹھائے، آیت کا یہ حصہ داعی پر ایک مثبت نفسیاتی اثر بھی ڈالتا ہے، وہ یہ کہ دنیاوی عدالتوں کے فیصلے، اقتدار کی تبدیلی اور انتخابات کے نتائج سے ایک سچا مسلمان کبھی بھی مایوس نہیں ہوتا، اس کی نظر ہمیشہ آخرت پر ہوتی ہے، وہ یہ سوچتا ہے کہ اس کا کام ہر حال میں شریعت پر عمل کرنا اور رب کا پیغام رب کے بندوں تک پہنچانا ہے، اگر اس نے یہ کام کرلیا تو جس دن اللہ سب کو جمع کرے گا اس دن اسے دائمی نجات حاصل ہوگی، پھر خوشی ہی خوشی ہوگی اور سکون ہی سکون ہوگا، نہ کسی طرح کا کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔
لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

(۱۰) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین رکھنا: ﴿ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴾ (اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) اللہ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین انسان کے دل میں خدا کی عظمت کا احساس پیدا کرتا ہے، دنیا کی بے ثباتی یاد دلاتا ہے اور اعمال کا محاسبہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ خدا کی عظمت کا احساس جب دل میں پیدا ہوتا ہے تو پھر دنیا کی فانی طاقتوں سے اسے کوئی خوف نہیں ہوتا یہ آتی جاتی حکومتیں اس کے سامنے بے حیثیت ہوجاتی ہیں، اس کی نظر میں اصل حاکم وہ ہوتا جس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کا استحضار اس کے لیے صبر آزما حالات سے گذرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ یہ حالات کیا اور یہ ظلم وستم کیا! یہ سب چند روزہ ہیں، ایک دن آئے گا کہ یہ سب ختم ہوجائیں گے؛ بل کہ پوری کائنات ہی فنا ہوجائے گا اس دن صرف خدا کی حکومت چلے گی، دینا کے سارے حاکم ومحکوم اور سارے ظالم ومظلوم اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے، اس دن وہی کامیاب ہوگا جس نے خدا کے پیغام پر عمل کیا ہوگا اور خدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچایا ہوگا۔ اعمال پر محاسبہ کرنے سے انسان حالات کا تجزیہ اپنی ذات سے شروع کرتا ہے، وہ سب سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی کوتاہیوں اور

مدرسہ نجم العلوم
شاہی ہلز شاہین نگر حیدر آباد میں
تلنگانہ اردو اکیڈمی کی طرف سے
گرمائی کلاس کا آغاز

مدرسہ نجم العلوم شاہی ہلز شاہین نگر حیدر آباد میں ''صدائے شبلی'' حیدر آباد ماہ مئی کا شمارہ ڈاکٹر محامد ہلال اعظمی، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر رفیق احمد قاسمی ودیگر کے ہاتھوں میں

بداعمالیوں کی وجہ سے یہ مصیبتیں اور آزمائشیں آرہی ہیں، وہ اپنے اعمال کا جائزہ لے کر اپنی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اسے ہمیشہ یہ فکر رہتی ہے کہ ایک دن اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

اس دس نکاتی پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان حالات کا رونا رونے اور خوف کی نفسیات کا شکار ہونے کے بجائے خدا کا پیغام لے کر اٹھیں، عزم وحوصلے سے کام لیں، بادل گرجے تو مسکرا کر جواب دیں، باد صر صر چلے تو چراغ کی لویں اور بڑھا دیں، تلاطم خیز موجیں اٹھیں تو ناخداؤں کو پکارنے کے بجائے خدا کو آواز دیں، اسلام مخالف نظریات وتصورات کو مسترد کردیں، شریعت سے دستبرداری کسی صورت قبول نہ کریں، کٹ حجتی میں وقت ضائع نہ کریں، آخرت ہمیشہ پیش نظر رکھیں، آخرت کا سکھ اور چین حاصل کرنے کے لیے فکر مند رہیں، سماج میں عدل وانصاف کا نمونہ بنیں، کسی بھی حال میں اپنے ایمان کا سودا نہ کریں، جان جاتی ہے تو جائے کہ اسے تو ایک دن جانا ہی ہے، اور سب کو اسی ایک مالک کے پاس لوٹ کر جانا ہے، ہاں! ایمان نہ جائے کہ اگر یہ چلا گیا تو پھر بڑے گھاٹے کا سودا ہوگا، اور آخرت میں ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔

ذرا غور کیجیے کہ چند سطروں کی اس آیت میں مسلمانوں کے لیے موجودہ حالات کے پس منظر میں کتنی بہترین رہنمائی اور حوصلہ افزائی موجود ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قرآن کے پیغام کو سمجھیں، اس پر عمل کریں اور اسے برادران وطن تک پہنچائیں۔

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہوجا
خودی کا رازداں ہوجا، خدا کا ترجماں ہوجا
خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

مجموعہ شائع کیا۔ ۱۹۴۱ء میں سیماب صاحب نے اپنی نظموں کا ایک اور مجموعہ شائع کیا جس کو ہم ''سازو آہنگ'' کے نام سے جانتے ہیں یہ مجموعہ دیوان کی شکل میں ہے یہ کل پانچ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب کا عنوان قائم کیا گیا ہے ۱۹۴۱ء میں ہی سیماب صاحب نے ''سرودِ غم'' کی نام سے حضرت امام حسینؓ کی شان میں سوز و سلام و نوحوں کا مجموعہ شائع کیا ۱۹۴۷ء میں علامہ نے ''شعرِ انقلاب'' کے نام سے نظموں کا مجموعہ شائع کیا جس میں کل ۴۹ نظمیں ہیں انکا دوسرا دیوان ''سدرۃ المنتہیٰ'' کے نام سے ہے جو غزلیات پر مشتمل ہے اس میں کل ۱۱۵ غزلیں ہیں اور دو نظمیں شامل ہیں ۱۹۴۰ء میں ہی سیماب صاحب نے 'دستورالاصلاح' نام سے ایک کتاب لکھی استاد شعراء سے شاگرد شعراء کے کلام کی اصلاح لینے اور اصلاح دینے کا ذکر کیا گیا ہے جس میں عظیم شعراء کے نام دیے گئے ہیں ۱۹۴۰ء میں ہی کرشن گیتا کے نام سے ایک نظموں کا مجموعہ شائع کیا جس میں انہوں نے سری کرشن جی کی شان میں لکھی نظمیں شائع کیں جس میں بُرج سے ایک آواز، دیکھ رہا ہوں، میرا پیام، وہ بانسری کہاں ہے، بانسری کی فریاد، من کی موج، تیرا انتظار وغیرہ کل گیارہ نظمیں ہیں اس مجموعے میں شامل نظموں سے سیماب صاحب کا سری کرشن جی کے لئے عشق ظاہر ہوتا ہے وہ شری کرشن جی کو اپنی زندگی میں ایک ہیرو کی طرح مانتے تھے کلام سے سب ظاہر ہوتا ہے سیماب صاحب نے ۱۹۴۳ء میں 'عالم آشوب' کے نام سے مجموعہ کلام شائع کیا تھا جو انکی رباعیات پر مشتمل ہے جس کی تمام رباعیات عالم گیر ماضی و حال بیان کرتی ہے۔

سیماب صاحب نے نظموں پر ہی زور نہیں دیا بلکہ انکی غزل گوئی بھی انکی نظموں سے کم نہیں ۱۹۴۳ء میں انہوں نے اپنی غزلوں کا ایک اور مجموعہ شائع کیا جس کا عنوان ''لوحِ محفوظ'' ہے اس مجموعہ میں انکی ۲۵ خوبصورت غزلیں شامل ہیں سیماب صاحب نے غزلوں میں رنگینیء خیال کو بہت اولیت دی ہے اور وہ غزل کو رنگینی خیال سے لکھنے کی طرف نظر آتے ہیں یہ بات انکی ایک غزل کے مطلع سے ثابت ہوتی ہے جو انکے مجموعے کلام ''لوحِ محفوظ'' میں شامل ہے غزل کے چند اشعار آپکی سماعتوں کی نذر کرتی ہوں ملاحظہ کریں۔

جس میں رنگینیء خیال نہیں
وہ غزل میرے حسب حال نہیں
بے دلی سے نہ ڈال دیوانے
زندگی ہے کوئی وبال نہیں
وقت شاید بہار کا بدلہ
کہ جنوں مجھ کو اب کے سال نہیں

.... کلیم عجم' اور سدرۃ المنتہیٰ سے ''لوحِ محفوظ'' تک سیماب اکبرآبادی صاحب کی غزلیہ شاعری کا سفر خاصا طویل رہا ہے انہوں نے ایک نئے رنگ و آہنگ کو پیش کیا یہ اشعار ان کے مزاج کی نمائندگی کررہے ہیں۔

کہانی میری روداد جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے
دبا رکھا تھا جس کو غربت کے سینے میں
وہ شورش اب جہاں میں معلوم ہوتی ہے
بھلادوں کس طرح سیماب صد سالہ تعلق کو
مرا سرمایہء ماضی ابھی ہندوستان میں ہے
شعر یوں کہتا ہے بے فکر و تکلف سیماب
جیسے اس شخص کو الہام ہوا کرتا ہے

سیماب صاحب نے صرف ایک شاعر کی حیثیت سے ہی خدمات انجام نہیں دیں بلکہ وہ ایک بہترین نثر نگار بھی تھے انکی نثری خدمات میں دو ''سوانح زیب النساء بیگم'' تصنیف کی جو کہ مغل بادشاہ اورنگ زیب کی دختر نیک اختر تھیں۔ انکی سوانح کے بعد دوسری سوانح ''نور جہاں بیگم'' شیر افغان خان جہانگیر کی اہلیہ تھیں۔

سیماب اکبرآبادی صاحب کی نثری تصنیف میں انکا ایک خطوط کا مجموعہ ہے جو ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا جس میں سیماب صاحب نے ضیاء صاحب کے نام لکھے خطوط موجود ہیں۔

نثری تصانیف میں سیماب صاحب کا ایک ڈرامہ بھی ملتا ہے جس کا عنوان ''داؤ پیچ'' یعنی نتیجہء بدعت ہے جس میں ظلم اور دغا بازی کے مقابلے میں بھلائی اور نیکی کو پیش کیا گیا ہے اس طرح سیماب صاحب کی پوری حیات اردو ادب کی خدمات میں صرف ہوئی نظر آتی ہے سیماب صاحب ہندوستان سے پاکستان بننے کے وقت پاکستان چلے گئے تھے اور زندگی کا باقی سفر وہی طے کیا اور اردو ادب کی خدمات کرتے رہے سیماب صاحب کی زندگی کے آخری سفر میں فالج کا اثر ہو گیا تھا جس سے انکو سکون نہ مل سکا لیکن ایسی حالت میں بھی ان کا قلم نہ رکا اور انہوں نے اپنی بیماری میں بھی غزل گوئی کی انکے آخری وقت کی غزلیں ملتی ہیں ان میں سے ایک غزل کا مطلع اور حسن مطلع پیش کر رہی ہوں ملاحظہ کریں۔

دل کی تھی دل میں اور ذہن کی ذہن میں تھی
یہ اک عجیب بات تری انجمن میں تھی
ہم تھے اور ایک دھوم سی باغ اور بن میں تھی
ہر رنگ کی بہار ہمارے چمن میں تھی
دل کی بساط کیا تھی نگاہ جمال میں
اک آئینہ تھا ٹوٹ گیا دیکھ بھال میں

آخر کار اسی طرح شعر کہتے کہتے سیماب صاحب نے ۳۱ جنوری ۱۹۵۱ء کو اپنی زندگی کی آخری سانس پاکستان کے شہر کراچی میں لی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہمیں الوداع کہہ گئے وہ آج ہمارے درمیان اپنی خدمات کے تئیں زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ و تابندہ رہیں گے سیماب اکبر آبادی کا شمار ان خوش نصیب شعراء میں ہوتا رہے گا جنہیں گزرتے وقت کے ساتھ فراموش نہیں کیا جا سکتا اللہ سے دعا ہے کہ وہ سیماب صاحب کے درجات بلند کرے آمین۔

''مجھے تاریخ دہراتی رہے گی ہر زمانے میں''

طفیل احمد مصباحی

غزل

الفتوں کے دائرے اچھے لگے
چاہتوں کے سلسلے اچھے لگے
ہجر، کلفت، درد، پیہم اضطراب
درد کے سب زاویے اچھے لگے
تارے گِنتا، اشک سے کرنا وضو
عشق تیرے رتجگے اچھے لگے
زیست کے دریا میں سطحِ آب پر
رنج و غم کے بُلبلے اچھے لگے!!!
حسرتوں کی لاش رکھ کر سامنے
پڑھنا اس پر مرثیے اچھے لگے!!
ایک سے مانگا، ہزاروں نے دیے
مفت کے یہ مشورے اچھے لگے
شاعری، تصنیف، خدمت قوم کی
مجھ کو تینوں مشغلے اچھے لگے
زندگی میں ساتھ چلنے کے لیے
آپ جیسے منچلے اچھے لگے!!!
اپنی منزل کی رکھے نہ جو خبر
کس طرح وہ قافلے اچھے لگے؟
شہ جہاں تم کو مبارک ''تاج'' ہو
ہم کو اپنے" مقبرے" اچھے لگے
سن کے احمد کی غزل وہ کہہ اٹھے
یہ ردیف و قافیے اچھے لگے!!!

سیف الاسلام سیف ۔تار بنگلہ، رانی گنج، ضلع بردوان

میں بھی ہوا شکار

ارے باپ رے، 354 pp ۔بلڈ رپوٹ دیکھ کر ہمارے منھ سے بے ساختہ نکلا۔طرح طرح کے منفی خیالات ذ ہن میں ادھر ادھر دوڑنے بھاگنے لگے ۔ہمیں اپنے اعمال اور افعال پر شک ہونے لگا۔خود کو کوسنا شروع کر دیا کیونکہ ہمیں بڑی بڑی بیماریوں سے بہت ڈر لگتا ہے اور ہم سدا خطرناک بیماریوں سے بچنے کی اس طرح دعا کرتے ہیں جیسے دولت مند افراد انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے کرتے ہیں۔ ہمارے جیسے لوگوں کے لیے خطرناک مرض کا علاج کروانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اور اس دور میں چھوٹے چھوٹے شہروں میں قابل اور تجربہ کار ڈاکٹر کا ملنا ریگستان میں پانی ملنے کے برابر ہے۔

کبھی یہ خیال آتا کہ رپورٹ ہی غلط ہوگی کیونکہ آج کل بعض لیباریٹریز میں خون کی جانچ کئے بغیر ہی رپورٹ تیار کر دی جاتی ہے۔کبھی یہ سوچتا کہ انسان خطا کا پتلا ہے شاید دوسرے کی شوگر رپورٹ میں بھول سے ہمارا نام درج کر دیا گیا ہوگا۔ایسا اکثر ہوا ہے کہ غلط رپورٹ کی بنا پر ڈاکٹر نے مریض کی بائیں آنکھ کے بدلے دائیں آنکھ کا آپریشن کر دیا ہے دائیں گردہ کی جگہ بایاں گردہ نکال دیا ہے۔پھر یہ بھی قیاس کرتا کہ عمر لگ بھگ چالیس کی ہوگئی ہے اور اس عمر میں کئی بیماریاں جسم میں کرایہ کا مکان لینا شروع کر دیتی ہیں اور بعد میں گھر خالی کرنے کا نام ہی نہیں لیتیں اور باہر نکالنے کو کوشش بھی کی جائے تو اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ مریض موت کے دروازے پر دستک دینا شروع کر دیتے ہیں۔

اس لیے ہو سکتا ہے کہ واقعی شوگر نے ہمارے جسم میں اپنا قبضہ جما لیا ہو۔شوگر کے بارے میں ہم تو بہت کچھ سن چکے تھے۔کہ اس کا حملہ امریکی فوج کے حملے سے بھی زیادہ تباہ کن ہوتا ہے، آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں۔گردہ کام کرنے میں سرکاری افسر کی طرح سستی کرنے لگتا ہے۔دل بھی خون کی سپلائی میں کاہلی برتتا ہے۔وزن کم ہونے لگتا ہے اور ہڑتال میں ملکی نظام کی طرح جسم کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

پریشان ذہن کے ساتھ رات جلدی بستر پکڑ لیا۔نیند کوسوں دور۔برے برے خیالات آنے شروع ہوگئے کہ اگر آنکھیں خراب ہوگئیں تو بیگم سے آنکھ کیسے ملائیں گے اور کبھی کبھی بیگم کو آنکھ دکھانے کا عمل بھی پورا نہیں ہو پائے گا۔اگر ایک آنکھ بہہ گئی تو دنیا ہم کو آدھی دنیا کا لقب دے دے گی یا اندھیرے اجالے کہہ کر پکارنے لگے گی۔گردہ بگڑ گیا تو پھر ہم حکومت کے غلط فیصلے پر پیشاب کیسے کریں گے۔اور دل پر ضرب آجائے تو ہم جیتے جی مر جائیں گے ۔یہ دل ہی ہے جو دل کی بات سمجھتا ہے۔یہ دل ہی ہے کہ جب کسی کے دل میں اپنا گھر بنا لیتا ہے تو تاج محل بنوا دیتا ہے۔کنیز کو ملکہ کا رتبہ دلوا دیتا ہے۔فرہاد سے دودھ کی نہر کھدوا لیتا ہے۔یہ اگر بگڑ جائے تو ہمارے لیے رشوت لینا، جرم کرنا، چوری ڈکیتی کرنا، عصمتیں لوٹنا قتل کرنا اور بہت سارے غلط افعال کرنا آسان ہو جائے گا۔

اس طرح کے مزید سینکڑوں افکار دل و دماغ میں رینگ رہے تھے ۔رات تارے گننے میں گزر گئی۔صبح بیگم ہمارا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگیں۔

''آپ کو ضرور کچھ ہوا ہے''۔

ہم نے ٹالنے والے انداز میں کہا ''نہیں کچھ بھی نہیں ہوا''۔

پھر انہوں نے پر زور انداز میں کہا۔

ہم آپ کے ساتھ زندگی کی دس بہاریں دیکھی ہیں

اوراس مدت میں آپ کو لفظ بہ لفظ پڑھ بھی لیا ہے۔اس لیے سچ سچ بولیے کیا ہوا ہے؟

ہم نے آہستہ سے زبان کو حرکت دی ''ہم شوگر کے شکاار ہو گئے''۔

بیگم کی آنکھوں میں محبت کے قطرے تیرنے لگے ۔تھوڑی دیر تک گونگی بنی رہیں۔ہم نے ہنستے ہوئے ان کو سمجھایا ۔یہ کوئی بڑی بیماری تھوڑی ہے کہ آپ ٹنشن لیں۔شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض تو ہر طرف برساتی مینڈک کی طرح ٹرٹر کرتے نظر آتے ہیں۔ایک ڈھنڈو ہزار ملتے ہیں۔آج سے ہم چینی کے استعمال میں کٹوتی کریں گے جیسے آپ برسوں سے نمک بچانے میں لگی ہیں۔

دوسرے دن ڈاکٹر سے رجوع کیا۔اس نے درجنوں کھانے پینے کی چیزوں کی طرف دیکھنے سے بھی منع کردیا ۔ہم مرغن کھانے والے کو ان سبزیوں کو روزانہ استعمال کرنے کی ترغیب دی جو ہمارے کھانے کی فہرست میں ST,SC اور OBC کے کوٹے میں رہتی ہیں۔ بائک اور کاروں میں گھومنے والے کو صبح صبح یاسین بولٹ کی طرح دوڑنے کا مشورہ دیا۔اور ایک تصویر کی طرف اشارہ کیا جس پر لکھا تھا control the sugar and save the important organs otherwise you will .

یہ سب دیکھ کر من ہی من میں اس بیماری کو ڈھیر ساری گالیاں دے ڈالے۔ایسا لگا کہ کسی نے ہمیں اچانک جنت سے جہنم میں ڈھکیل دیا ہو۔گھر آ کر ہم دونوں نے اپنی اپنی روز کے کھانوں کی ایک لسٹ بنائی۔کھانے کے معاملے میں ہم دونوں دریا کے دو کناروں میں بٹ گئے۔بس سمجھ لیجئے کہ ہم دونوں کی غذائیں دیوبندی اور بریلی مولیوں کی طرح ہو گئیں۔بیگم آلو کی طرف لپکتیں تو ہم کریلا سے آنکھیں چار کرتے۔وہ ملک شیک کو منھ لگاتیں تو ہم شوگر فری چائے سے دل بہلاتے۔وہ انار، انگور اور آم کا جوس پیتیں تو ہم کریلا، کھیرا اور نیم کا رس حلق سے اتارتے۔انکی دوستی بریانی سے ہوتی تو ہم جو اور گیہوں سے محبت کرتے ہیں۔اگر وہ بائک پر سرپٹ دوڑتی تو ہم ان کے پیچھے تیز قدموں سے بھاگتے لیکن ہم ہار ماننے والے نہیں تھے وہ قطب شمالی میں خوش تو ہم قطب جنوبی میں شادماں۔

ہماری شوگر کی بیماری کی خبر آہستہ آہستہ پھیلتی گئی ۔ایک دن ہم اپنے دوست سے ملنے کولکاتا گئے تو وہ ہماری پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگا''ارے یار تم جیسے ہٹے کٹے جوان کو شوگر کیسے ہو گیا؟''۔

ہم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا''ارے یار شوگر سے ہوا ہے حکومت نے چینی کی قیمت کافی بڑھادی ہے اس لیے ہم شوگر سے پرہیز کررہے ہیں''۔

اس نے دوسرا سوال میری طرف اچھالا۔

کیا کوئی ٹینشن ہے؟ ارے یار!اس دور میں کون ایسا شخص ہے جو ٹینشن سے خالی ہے اور جس آدمی کو کوئی ٹینشن نہیں ہے اس کو یہ ٹینشن ہے کہ اسے ٹینشن کیوں نہیں ہے۔بات آئی گئی ہو گئی۔

لیکن اب تو یہ حال تھا کہ جہاں کہیں بھی جاتا اور لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ ہم شوگر کے نئے نئے مریض ہیں تو ہمیں صلاح کار اور حکیموں کے بھیڑ کا سامنا کرنا پڑتا۔کوئی کہتا سورج نکلتے سے قبل ہی میدان میں دوڑ لگائیں تو کوئی صبح کی ٹھنڈی ہواؤں کے اندر کھینچنے پر زور دیتا،مگر ان کو کون بتائے کہ ہم سال میں دو بار ہی طلوع آفتاب کا دیدار کرتے ہیں ۔کوئی اس طرح بھی نصیحت کرتا کہ ذیابطیس شیئر بازار کی طرح بڑھتا اور گھٹتا ہے پریشان نہ ہوں میٹھی اشیا سے اس طرح دور رہیں جیسے کچھ مسلمان نماز اور روزہ سے دور رہتے ہیں۔

کوئی مشورہ دیتا ہمیشہ اسکاٹسٹ اس طرح کرواتے رہیں جیسے حکومت گاہے گاہے مسلمانوں کی تعلیمی بیداری ،معاشی ترقی کے ساتھ سماجی گراوٹ اور مذہبی جنون کا پتا لگاتی ہے تاکہ اسے دبانے کا معقول لائحہ عمل تیار کیا جاسکے۔غرض

رفیق قریشی۔مبارکپوراعظم گڑھ

غزل

دھیرے دھیرے پیار میں یہ کیسا رشتہ ہوگیا
ساتھ میں جینے کا اور مرنے کا وعدہ ہوگیا
جس کی خاطر میں نے چھوڑے سارے رشتے دار کو
مجھ کو ٹھوکر مار کر وہ بھی پرایا ہوگیا
وقت پڑنے پر تمہارا خون ہی کام آئے گا
لاکھ بھائی جان کا دشمن تمہارا ہوگیا
تم کو کھوکر زندگی بے رنگ تھی بے نور تھی
تم ملے تو زندگی میں پھر اجالا ہوگیا
ڈھونڈ لیجیے اے مسلماں کیا ہے ہم سب میں کمی
دشمنِ اسلام کا کیوں بول بالا ہوگیا
ہوگئے ہیں اپنے جس بچے سے راضی والدین
وہ یقیناً جنت الفردوس والا ہوگیا
جو میرے سینے میں مدت سے دھڑکتا تھا وہ دل
کیسا جادو کردیا کہ وہ تمہارا ہوگیا
چلچلاتی دھوپ میں گھر سے میں نکلا جب رفیق
ماں دعا کرنے لگی تو سر پہ سایا ہوگیا

مشورے کی دوڑ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہمیں مشورہ دیتے بقول غالب "جونہیں جانتے وفا کیا ہے"

لوگوں کے مشورے سنتے سنتے ہمارے کان پک گئے اب شاید بہنے بھی لگیں۔ ہماری بیگم ادب کی ڈاکٹر ہیں اس لیے وہ بھی ہمیں شوگر سے نجات دلانے کے لیے سینکڑوں میزائیلی الفاظ کا استعمال کرنے لگیں۔ خدا کا شکر ہے کہ انکے الفاظ اور ہمارے پرہیز سے بیماری گھٹنے ٹیکے بیٹھی ہے۔ مگر ڈھیٹ اتنی ہے کہ بھاگنے کے لیے تیار ہی نہیں اور ہماری ضد ہے کہ اسے بھگا کر ہی دم لیں گے۔

قاری ولی محمد زاہد، ہریانوی
دارالعلوم دکن نارسنگی، حیدرآباد۔

غزل

جھوٹ کہتے ہوئے ہر بار وہ بچ جاتے ہیں
حق بیانی کی سدا، ہم ہی سزا پاتے ہیں
ہر قدم آپ دغا کرتے ہو ہم سے پھر بھی
دوستی آپ سے ہم اپنی نبھا جاتے ہیں
کاوشیں امن کی ہوجاتی ہیں بے فیض سبھی
جب عدو مل کے سبھی ہم پہ ستم ڈھاتے ہیں
خوبیاں اُن کو نظر آتی نہیں ہیں لیکن
خامیوں کو ہی سدا میری وہ گنواتے ہیں
جن کو بے چین کیا کرتا ہے، اوروں کا سکوں
زیست میں لوگ وہ تسکین کہاں پاتے ہیں
یہ شفا خانہ ہے روحانی بھی ، جسمانی بھی
دُور سے لوگ یہاں آ کے شفا پاتے ہیں
کوئی تکلیف جو اپنوں سے پہنچتی ہے کبھی
"اشک بچوں کی طرح گھر سے نکل جاتے ہیں"
داد و تحسین سے بھر جاتی ہے جھولی زاہد
جب بھی محفل میں غزل جھوم کے ہم گاتے ہیں

رفیعہ شمیم۔حیدرآباد

اردوافسانہ اورڈاکٹرمحشرعابدی

افسانہ ''رشوت'' میں ڈاکٹرمحشر عابدی نے سماج کے ٹھیکیداروں کی ظلم وزیادتی اور کمزور طبقے کی بے بسی کو موضوع بنایا ہے اس میں تحصیلدار کی ذہنی کشمکش اور ضمیر کی آواز کو پیش کیا ہے۔ رشوت کے پس منظر میں کرداروں کی گفتگو عمدگی کیساتھ پیش کی گئی ہے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

''جگو:۔ حضور یہ خیال دل سے نکالدیں کہ ہم نے آپ کے لئے بددعا کی ہے ابھی تو پرماتما کا دیا پیٹ بھر کھارہے ہیں حضور ہم غریب ہیں لیکن ہمارے سینہ میں آدمی کا دل ہے ہم نے آپ کے لئے پرماتما سے کوئی برا نہیں چاہا پرماتما بچے کو سدا زندہ اوراچھا رکھے اور آپ کو چین اور سکھ دے۔ مہاراج آپ ہمارے حاکم ہیں ہم آپ کی رعایا ہیں۔

تحصیلدار:۔ جگو تم سے مجھے یہی امید تھی، تم کتنے اچھے آدمی ہو تم بہت اچھے ہو جگو مجھ سے بڑا پاپ ہوا جو میں تمہارے کھیت نہ بچاسکا مجھے آج تک شرمندگی ہے۔

جگو:۔ اسکا آپ کچھ خیال نہ کریں آپ گھر جایئے میں بھگوان سے دعا کرونگا کہ وہ آپ کے شیر کو وہ آپکے لال کو جلد سے جلد اچھا کردے۔

تحصیلدار:۔ جیب سے دو ہزار کے نوٹ نکال کر جگو کی طرف بڑھاتے ہوئے جگو تمہارے کھیت چلے جانے سے تمہارا دل ضرور ٹوٹ گیا ہے لیکن یہ لو اس سے کوئی دوسرا کھیت خریدلو بس میری خوشی اسی میں ہے۔

جگو:۔ (نوٹ دیکھکر) حضور یہ آپ کیوں دے رہے ہیں گورنمنٹ تو ہم کو زمین کا پیسہ دے چکی ہے مالک یہ لیکر اب ہم کیا کریں گے ہم کو نہ چاہیئے۔

تحصیلدار:۔ نہیں جگو یہ تم لے لو روپیہ سے گھر، زمین، شہرت اور نام خریدا جاسکتا ہے لیکن جان نہیں خریدی جاسکتی یہ مجھے معلوم ہوگیا جگو میں اب جاتا ہوں تم میرے بچے کی زندگی کیلئے دعا کرو۔

دوسرے ہی دن سے تحصیلدار کے بچے کا بخار ہلکا ہونے لگا تھا اور تیسرے دن تو بلکل اتر گیا تحصیلدار نے اپنے بچے کو اچھا ہوتا ہوا دیکھ کر بار بار خدا کا شکر ادا کررہا تھا۔

آج سے تحصیلدار کی نظروں میں جگو کسان نہ صرف ایک معمولی درجہ کا آدمی بلکہ بہت بڑے درجہ کا انسان بن گیا تھا جس کی قدر اور عزت اسکے دل میں ہمیشہ کیلئے گھر کرگئی تھی.......اسی واقعہ کے بعد سے پھر کبھی تحصیلدار نے ''رشوت'' کا خیال نہیں آنے دیا۔ 25

اس افسانے کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رشوت کے کتنے برے نتائج نکلتے ہیں اس میں آدمی اور انسان کے فرق کو نمایاں کیا گیا ہے اور ضمیر کی آواز کو نکتہ بنایا گیا ہے۔

''دوشیزہ'' میں دو عرب قبیلوں کی دلکش انوکھے انداز میں تصویر کشی کی ہے۔ اسکا پلاٹ منظم ہے اور تاثراتی

انداز شروع سے آخر تک برقرار ہے۔ ڈاکٹر محشر عابدی نے کردار کا سراپا بیان کرتے ہوئے اس کی شناخت کو گہرا بنانے کی کوشش کی ہے اور اپنے مشاہدے کو بروئے کار لا کر سراپا نگاری میں جان ڈالدی ہے ایک اقتباس پیش ہے۔

''گلاب کے پھول کی نزاکت، اسکی پنکھڑیوں کی شباہیت نہ صرف آنکھوں پر جادو کرتی ہے بلکہ دل و دماغ کو بھی اپنا فریفتہ کر لیتی ہے، مگر ریحانہ کے لالہ گوں رخسار، انسانی جذبات میں ایک تلاطم برپا کر دیتے تھے، اور احساسات میں ایک کیف اضطرار۔ غزالان عرب کی آنکھیں، اپنے حسن و دلکشی، رعنائی و دلربائی کے لحاظ سے سب سے بہتر سمجھی جاتی ہیں، مگر ریحانہ کی آنکھیں، ان سے کہیں زیادہ نشیلی، پرخمار اور موہنی تھیں۔ کنول کے پھول پر پڑے ہوئے شبنم کے سیمیں قطرے نہایت حسین نظر آتے ہیں، مگر ریحانہ کے عارضِ تاباں پر رقص کرنے والے آنسو، اس سے زیادہ خوبصورت معلوم ہوتے تھے، سیاہ، دراز، اور منتشر رہنے والے بالوں میں ریحانہ کا چہرہ روح پرور چاند کی طرح، دلنواز دکھائی دیتا تھا۔ عرب کے صنم پرست ریحانہ کو حُسن کی دیوی وینس کہہ کر پکارتے تو صحیح تھا یا چاند کی دیوی ڈائنا سے مخاطب کرتے تو جائز تھا اگر وہ کسی کی طرف ایک نگاہ استغناء سے دیکھ لیتی تو دیکھنے والوں کی آنکھوں میں سینکڑوں بجلیاں کوند جائیں۔ اسکا تبسم مردہ دلوں میں روح پھونک دیتا تھا، ریحانہ ان تمام صفات نسائی کی واحد مالک تھی۔ ۲۷

اس افسانے کے مطالعہ سے نسائی حسیت کا اظہار ملتا ہے۔

افسانہ ''وعدہ شکن'' میں جلد بازی کو موضوع بنایا گیا ہے اس میں ایک معصوم حسین بیوہ کے کردار کو پیش کیا ہے جو اپنے مرحوم شوہر کے وعدہ کی تکمیل میں مصروف عمل ہے اس کا پلاٹ مربوط ہے اور کہانی میں تسلسل شروع سے آخر تک برقرار ہے افسانہ نگار نے کرداروں کی گفتگو کو دلکش اور انوکھے انداز میں پیش کیا ہے درج ذیل اقتباس میں اس کی عکاسی کی گئی ہے اس افسانے کے مکالمے کچھ اسطرح ہیں۔

''تم یہاں کیوں کھڑی ہو اور اس قبر پر پنکھا جھلنے سے تمہارا کیا مطلب ہے۔

عورت نے غمگین لہجہ میں جواب دیا'' مہربان اس ہمدردی کا شکریہ تہہ دل سے ادا کرتی ہوں لیکن آپ پوچھ کر کیا کرینگے؟ اس وقت اسکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔

چوِدانگ بولا، مگر آپکو بتانے میں کیوں عذر ہے میں اسلیئے دریافت کرر ہا ہوں کہ شاید آپکی مدد کرسکوں۔

عورت نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ آہ افسوس، اب مجھے دنیا میں ایسا شوہر کہاں ملیگا جو اس قبر میں راحت ابدی کی نیند سو رہا ہے میرا پیارا شوہر ایک نہایت رحمدل اور نیک خصلت انسان تھا۔ مرتے وقت اسنے مجھ سے کہا تھا کہ جب تک اس کی قبر کی مٹی خشک نہ ہو جائے میں دوسری شادی نہ کروں۔ اس وقت آپ مجھے اسی حکم کی تعمیل میں منہمک دیکھ رہے ہیں۔

چودانگ نے پوچھا'' ہاں مٹی تو ضرور خشک ہو جائے گی مگر پنکھا جھلنے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی''؟

عورت نے جواب دیا'' اسلیئے کہ مٹی جلد سوکھ جائے اس کام میں میں نے دو دن صرف کر دیئے ہیں اور یہ ارادہ کر لیا ہے کہ جب تک اس وعدہ کی تکمیل نہ ہو جائے دوسری شادی نہ کرونگی خواہ اس قبر کے سوکھنے میں اور چار دن کیوں نہ لگ جائیں۔

چودانگ بیوہ کے حسن سے متاثر ہو چکا تھا۔ اور ابتک نہایت سنجیدگی اور احترام کیساتھ اس سے گفتگو کر رہا تھا مگر بیوہ کی شادی کی اس عجلت کے خیال سے وہ مسکرا دیا۔ ۲۸

اس افسانے کے جائزہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر محشر عابدی نے اس میں عجلت پسندی، معصومیت، جلد بازی کو نکتہ

بنا کر پیش کیا ہے۔

"نغمہ پرست" میں موسیقی کے جنون کو موضوع بنایا گیا ہے اس میں ایک ایسے حکمراں کی کہانی بیان کی گئی ہے جو موسیقی کے سُروں میں ڈوب کر ملکی فرائض سے غفلت برتتا ہے اور اس کی اس کمزوری کا فائدہ دوسرے حکمراں اٹھاتے ہیں اور وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ اسکا پلاٹ مربوط ہے اور کہانی سلسلہ وار بیان کی گئی ہے۔ بطور ثبوت ایک اقتباس درج ہے۔

"ایک دن باز بہادر اپنی ملکہ کیساتھ گانے میں مشغول تھا کہ یکا یک تمام محل میں ایک دہشتناک ہلچل مچ گئی دردناک اور حسرت آگیں فریادیں بادشاہ کو مدد کیلئے پکار رہی تھیں بادشاہ سلامت ہمیں بچایئے پناہ دیجئے دشمن سڑکوں پر لوٹ مچا رہے ہیں اسکے بعد فریادیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔

اسنے عجلت میں اپنا فوجی لباس اور زرہ بکتر زیب تن کیا منتشر فوج یکجا کی اسے حیرت ہوئی وہ تعجب سے دیکھنے لگا کیونکہ وہ بلکل مختصر تھی اور بے قاعدہ لیکن اسنے کوئی پرواہ نہ کی اب اس کا دل ایک بہادر اور جوانمرد کا دل نہ تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موسیقی کی محبت نے اسکے چاروں طرف ایک جال سا بچھا دیا ہے اور اس سے جنگ اور فتح کی طاقت چھین لی گئی ہے اس نے غنیم کا مقابلہ کیا لیکن بہت ہی بزدلانہ، اس میں آج جوش نہ تھا کہ خود دلیری سے بڑھتا اور فوج کو بھی ابھار کر آگے بڑھاتا اسکی فوج تتر بتر ہوگئی اور زیادہ تر موت کے گھاٹ اتار دی گئی اور وہ خود بھی جان بچا کر جنگلوں میں بھاگ گیا اس کے بعد کسی نے اسکے متعلق کوئی خبر نہ پائی۔

۲۹

اس افسانے میں ڈاکٹر محشر عابدی نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ موسیقی کی زیادتی انسان کو کمزور بنا دیتی ہے۔

افسانہ "ستی" میں ایک طرف تو "وفا شعاری اور تحمل" کو اور دوسری طرف "قرض کے مسئلہ" کو موضوع بنایا گیا ہے یہ ایک فلیش بیک کہانی ہے جو ایک دوست دوسرے دوست کو سنا رہا ہے اسکا پلاٹ مربوط ہے اور کہانی میں تسلسل برقرار ہے اس کے کچھ اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔

"سریندر بولا اگر تمہیں فرصت ہو تو میں تمہیں اپنا ایک واقعہ سناؤں"۔

"آبانی نے کہا، مجھے بھلا کب انکار ہوسکتا ہے"۔

سریندر بولا بہتر ہوگا کہ تم اپنی بیوی کو بلا لیتے یہ واقعہ وفا شعاری کا ایک بہترین درس ہے۔

ابانی نے کہا۔ اسے کھانے پکانے ہی میں مشغول رہنے دو اطاعت گزاری کا یہ اس سے بہتر درس ہے۔

سریندر بولا، جیسی تمہاری مرضی ہو"۔ ۳۲

"سروجا" جو کہ ذہنی وقلبی کشمکش سے دوچار ہے جو نہ صرف بیمار شوہر کی خدمت کرتی ہے بلکہ اس کا قرض ادا کرنے کیلئے شدید تکالیف اور مصائب کا سامنا کرتی ہے شوہر اور گھر والوں کے غلط الزاموں کو سنکر گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہے اس کی منظر نگاری اس طرح کی گئی ہے۔

"میں نے بڑے خوف اور وحشت سے اس تصویر کو دیکھا اسکا نام "ستی" تھا۔ اس میں ایک سنسان دریا کے کنارے ایک بڑی سی چتا جل رہی تھی اور اسکے بیچ میں ایک عورت اپنے شوہر کی نعش اپنی گود میں لئے ہوئے بیٹھی تھی عورت کا چہرہ "سروجا" کا چہرہ تھا اور وہ بے چینی اور تکلیف جو میں بارہا اسکے چہرہ پر دیکھی تھی پردہ کی تصویر پر صاف نظر آرہی تھی وہ ایک دیوی معلوم ہو رہی تھی مصور کا نام بھی آشنا سا تھا۔ یہ میرے ہمسایہ مصور کا نام تھا۔ ۳۳

ہمارے معاشرہ میں عورت کو کمزور سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے یہ عورتوں کی بدنصیبی ہے مگر عورت کمزور نہیں ہے بلکہ ضرورت پڑنے پر ہر چیز کی قربانی دیتی دکھائی دیتی ہے اگر جان دینا پڑا تو اس سے گریز نہیں کرتی اس کہانی کی ہیروئن سروجا اسکے شوہر کا قرض ادا کرنے کیلئے مصور سے تصویر بناتی ہے اس

تصویر میں انتہائی شدید تکلیف کو نمایاں کرنے کیلئے مصور سے اپنے پشت پر گرم لوہے سے داغنے لگواتی ہے اور تکلیفوں کی ''ستی'' پیش کرتی ہے اقتباس ملاحظہ ہو۔

''مصور ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور چلا کر بولا سننے میں لغو اور مہمل باتوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتا۔ اگر آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ میں نے اسکے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی یا اسکے مرتبہ سے کوئی گری ہوئی بات کی ہے یا یہ کہ میں نے اسے موجودہ معاوضہ نہیں دیا تو میں آپکی باتیں سننے کے لئے تیار ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے اس معاوضہ کے عوض اسے تکلیف دینی پڑی، لیکن وہ خود اسکے لئے رضا مند ہو گئی تھی''۔

''تکلیف''؟ میں نے خوف و ہراس سے پوچھا ''کس قسم کی تکلیف؟''

''خیر اگر آپ جاننا ہی چاہتے ہیں تو مجھے بتانے میں کوئی عذر نہیں ہے میں اس کے چہرہ پر انتہائی رنج اور تکلیف کے آثار نمایاں کرنا چاہتا تھا اسکے لئے مجھے اس کی پشت گرم لوہے سے داغنا پڑی تھی''۔

''میں یہ سن کر خوف و دہشت سے تقریباً بدحواس ہو گیا۔ میں یہ خیال بھی نہ کر سکتا تھا کہ موجودہ تہذیب یافتہ زمانے میں ایسا ظلم بھی جائز سمجھا جا سکتا ہے۔ آہ غریب سروجا! ہم اسکے پاؤں کی خاک بھی بننے کے قابل نہ تھے چہ جائیکہ ہم نے اسکے ان محبت آمیز افعال کو قانون کی نظر سے دیکھنا چاہا اور اسے مجرم قرار دیا''۔ ۳۴؎

اس افسانے کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر محشر عابدی ایک عورت کی ایثار و قربانی، رشتوں کی پاسداری کو اس کہانی کا نکتہ بنا کر پیش کیا ہے۔

افسانہ ''تصویر کی زندگی'' میں ایک ایسے مصور کی کہانی پیش کی گئی ہے جس نے ہزاروں تصویریں بنائی تھی لیکن اس نے ایک ایسی بھی تصویر بنائی تھی جس میں فنِ مصوری کے تمام نکات، تمام جدتیں اور تمام دلنشین الوان اور کمالِ فن کے ہر رخ کو نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیا تھا اور وہ تصویر اسقدر روح پرور تھی کہ مصور خود اسکا پرستار ہو گیا تھا ڈاکٹر محشر عابدی نے صحرائی دوشیزہ کی جو سراپا نگاری بیان کی ہے وہ فنکارانہ مصوری کی عمدہ مثال ہے۔

''یہ تصویر ایک صحرائی دوشیزہ کی تھی، جسے مصور نے ایک بار کسی جھیل کے کنارے، پانی کی موجوں سے کھیلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ نہایت معصومانہ انداز سے پانی کو اچھال رہی تھی اور اسے دیکھ کر مسرور ہو رہی تھی، اس کا حسن ساحر، شباب کی پُر جذبات آغوش میں مصروف خرام تھا۔

مگر وہ بے خبر تھی، اپنے انداز ستمگر سے

وہ جوان تھی، لیکن جوانی کے نشہ تمکنت سے سرشار نہ تھی۔ وہ حسین تھی جیسے گلاب کی پنکھڑیاں، لیکن اس میں نخوتِ حسن بلکل نہ تھی، وہ تکلف سے معرا تھی، اسکی سادہ زندگی، اس کے پیکر رعنا کو اور زیادہ دل موہ لینے والا بنا رہی تھی اسے کسی کی پرواہ نہ تھی، وہ آزاد تھی، وہ ایک دریا کی لہروں کی طرح آزاد فطرت تھی۔ ۳۵؎

اس افسانے کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ محشر عابدی کو منظر نگاری پر قدرت حاصل تھی اس افسانے کی منظر نگاری دل چھو لینے والی ہے۔

افسانہ ''تصویر کی زندگی'' میں ''پرستش'' کو موضوع بنایا ہے محشر عابدی نے ایک ایسے کردار کو پیش کیا ہے جو کہ اپنی ہی ایک تصویر کا شیدائی ہو گیا تھا جو ایک صحرائی دوشیزہ کی تھی۔ اس کی ساری توجہ اس ایک تصویر میں جذب ہو کر رہ گئی تھی وہ دن رات اسی تصویر کے انداز معصومانہ پر نگاہیں جمائے رکھتا اور اس تصویر کو زندہ ہستی تصور کر کے اپنے دلی خواہشات اور تمناؤں کا اظہار کرتا وہ خدا سے التجا کرتا کہ تو ہر چیز پر قادر ہے تو جو چاہے وہ کر سکتا ہے تیری قدرت سے بعید امر ہے کہ تصویر میں جان ڈال دے سنا ہے کسی زمانے میں پتھر بھی بولتے تھے اور تیری وحدانیت کی شہادت دیتے تھے پھر کیا یہ

ممکن نہیں کہ ایک تصویر بولنے لگے اس دُھن میں مصور کے دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں اور سالوں میں گزر گئے لیکن اس کی عقیدت اور محویت میں کوئی تغیر رونما نہ ہوتا جسے ایک پجاری صبح اٹھ کر نہا کر صاف کپڑے پہنتا ہے اور پھر مندر جاتا ہیاور اصنام سنگ کے سامنے دوزانوں بیٹھتا ہے تھوڑی دیر کیلئے اپنے ماحول کو بھول جاتا ہے اسی طرح مصور بھی تصویر کی عبادت میں اپنے کو بھول جاتا لیکن جب وہ اس محویت سے بیدار ہوتا تو مایوس اور محرومی کے اتھاہ سمندر میں گُم ہو جاتا مصور کے مردہ امیدوں میں تازہ روح تب دوڑتی ہے جب وہ حورو ش کو سامنے پاتا ہے اس کی دعاؤں میں اتنا اثر ہوتا ہے کہ خدا سے جو مانگتا ہے وہ اسے مل جاتا ہے۔ جذبات واحساسات کی عکاسی یوں ملتی ہے۔

''مصور یکا یک چونک پڑا اس نے آنکھیں کھولدیں کوئی اسکے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا وہ بیحد متحیر ہو گیا، اسکے تعجب کی فراوانیاں دامن تخیل سے زیادہ وسیع اور غیر محدود تھیں اسے یہ دیکھ کر سکتہ ہو گیا کہ ایک جوان لڑکی، ایک حور فردوس، ایک ناظورہ جمال اسکے قریب کھڑی ہے وہ اسکے جمال دلنشین کی رنگینوں کو دیکھ کر اپنے آپ میں نہ رہا جاتا تھا۔ وہ اسکے پیکر سیمیں کی رعنائیوں کو محسوس کر کے دیوانوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا وہ کہنا چاہتا تھا مگر اس کی زبان نہ کھلتی تھی وہ حرکت کرنا چاہتا تھا مگر اسکے اعضاء نہ ہلتے تھے تصویر گویا ہوئی۔ اے مصور! تو کیوں اسقدر متوحش اور سراسیمہ ہے تیری دعا قبول ہوئی اور خدا نے مجھے تیری عبادت سے متاثر ہو کر دنیا میں بھیج دیا۔ اب چل اپنے گھر اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے چل۔ کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں مصور نے دیوانگی کے لہجہ میں پوچھا۔ نہیں خواب نہیں حقیقت ہے۔ تو مجھے لے چل اور اب میں کہیں نہیں جا سکتی میری تخلیق تیرے ہی لیئے ہوئی ہے اب دیر نہ کر مجھے گھر لے چل۔ مصور بہت دیر کے بعد ہوش میں آیا مگر اب تک اس کی زبان حیرت سے بند تھی اس نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر کی طرف چلدیا۔'' ص٣٦

اس افسانے کے جائزہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خدا پر اگر ایمان مضبوط ہو تو پتھر بھی بولنے لگتے ہیں اور تصویر حقیقت کا روپ دھار سکتی ہے دعاؤں کی شدت سے انسان خدا سے سب کچھ پا سکتا ہے۔

''الماس گر'' ایچ۔ جی۔ ویلز کا لکھا افسانہ ہے جسکا ترجمہ محشر عابدی نے کیا ہے۔ انہوں نے اس افسانے میں غریبی اور اسکے اثرات کا احاطہ کیا ہے۔ ہیرا گر کافی محنت کی کاوشوں اور تجربات کے بعد تین بڑے اور پانچ چھوٹے ہیرے بنانے میں کامیاب ہوتا ہے اور جب ہیرا گر اسکو فروخت کرنا چاہتا ہے تو لوگ اسکا حلیہ دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ اتنے قیمتی ہیرے کیسے بنا سکتا ہے شاید وہ انہیں بیوقوف بنا رہا ہے اور کوئی بھی اس سے خریدنے پر تیار نہیں ہوتے اور کہانی کئی اہم موڑ اختیار کرتی ہے اور کسی طرح ایک آدمی ہیرا خریدنے پر تیار ہوتا ہے اور دوسرے دن مقررہ وقت پر اسکے آفس آنے پر کہتا ہے تو ہیرا گر اس سے کہتا ہے کہ آپ مجھے پولیس میں تو نہیں پکڑا دینگے تو ہیرا خریدنے والا اس سے کہتا ہے کہ یہ کارڈ رکھ لو جب تمہارا دل چاہے آجاؤ۔ اس افسانے کا پلاٹ مربوط ہے اور کہانی میں تسلسل برقرار ہے بطور مثال ایک اقتباس پیش ہے۔

''ایک مرتبہ وہ مجھ سے ملنے آیا۔ لیکن میں گھر پر موجود نہ تھا میرے ملازم نے اسکا حلیہ بتایا کہ وہ ایک دبلا، مختنی، میلے چیتھڑے لگائے تھا اور اسے کھانسی بھی بیحد آرہی تھی اس نے میرے لیئے کوئی تحریری جواب نہیں چھوڑا تھا جہاں تک اس قصہ کا تعلق ہے یہ اسکا انجام تھا۔ بعض اوقات تعجب کرتا ہوں کہ اسکا کیا انجام ہوا؟ کیا وہ ایک غیر ماہر آدمی تھا یا پتھروں کا بیوپار کرتا تھا یا اس نے درحقیقت ہیرے بنائے جیسا کہ اسنے بیان کیا تھا۔..................بقیہ ص: ٣٨ پر

شمیم مشتاق معروفی۔ پورہ معروف مئو (یوپی)

چیختی چلاتی قوم

دنیا میں بہت سی قومیں آباد ہیں اور ہر قوم اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہتی ہے۔ قومیت اور قوم پرستی سے لوگوں کو بہت لگاؤ رہتا ہے۔ روز اول سے ہی قوم پر فخر کرنا اور قوم کے کارناموں کو گنوانا، تاریخی حوالے سے قوم کی بالادستی قائم رکھنا لوگوں کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ دنیا کی قوموں کا اگر سرسری مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر قوم کی اہمیت افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ حالاتِ حاضرہ کا اگر جائزہ لیا جاے تو ایک قوم ایسی ہے جو سب سے زیادہ مظلوم اور چیختی چلاتی قوم نظر آتی ہے، وہ مسلم قوم ہے، جس کا ماضی تو شاندار تھا مگر آج اس کا شمار بے بس اور کم تر قوم میں ہوتا ہے۔ جس قوم نے دنیا کو تاریکی سے نکال کر روشنی سے منور کیا، وہی قوم آج اندھیروں میں دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہے، جس قوم کے جیالوں نے اپنے علمی چراغ سے پوری دنیا کو روشن کیا وہی تعلیم سے بے بہرہ ہے، جس قوم کی بنیاد ہی تعلیم تعلم پر رکھی گئی ہے، آج وہی قوم تعلیمی لحاظ سے حاشیے پر نظر آرہی ہے۔ علامہ اقبال نے اس کو اپنے شعر میں اس طرح بیان کیا ہے ؎

حیرت ہے کہ تعلیم و ترقی میں ہیں پیچھے
جس قوم کا آغاز ہی اقرا سے ہوا تھا

آخر کیا وجہ ہے کہ اس قوم کے اوپر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں اور دنیا میں شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ کیا آج بھی یہ قوم وہی رٹے رٹائے الزام اور یوروپ کو موردالزام ٹھہرا کر اپنا دامن بچانے کی فراق میں ہے؟ کیا اس قوم کو آج بھی ہر مصیبت و پریشانی کا سبب اپنے اعمال کا نتیجہ ہی دکھائی دیتا ہے۔ آخر کب تک یہ قوم اپنی ناکامی اور نااہلی کو چھپانے کے لیے مذہب کا سہارا لے گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ قوم پر جو مصیبتیں آتی ہیں ان میں اعمال کا عمل دخل نہیں ہے۔ بالکل ہے مگر جب کوئی قوم بجائے اپنے غریبان میں جھانکنے کے اپنی ناکامیوں کا ٹھیکرا دوسرے کے سر پھوڑتی ہے تو اس قوم کی عقل کو زنگ لگ جاتا ہے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت محدود ہو جاتی ہے۔

اس قو کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہر نئی ایجاد کو بغیر سوچے سمجھے ٹھکرا کر آنے والی نسلوں کی ترقی کی راہ میں روڑا بنتے ہیں۔ چاہے وہ یوروپ کی جدید تعلیم ہو، یا ٹکنالوجی کے جدید آلات، یہ سب اس قوم کو اسلام کو بدنام کرنے کی سازش دکھائی دیتی ہے، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ جو قوم وقت اور حالات کے تئیں اپنی سوچ زندہ رکھتی ہے، وہی قوم ترقی پذیر ہوتی ہے۔ اس لیے قوم کے رہبروں کو ہوش کے ناخن لینا چاہئے اور خواب وخیال کی دنیا سے باہر آکر حقیقی تصویر کی منظر کشی کرنی چاہئے۔ غوروفکر کے دریچے کھول کر کشتی کو ساحل پر لگانے کی ترکیب تلاش کرنا چاہئے تاکہ یہ قوم سیدھے راستے پر گامزن ہو اور دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے شانہ بشانہ چل سکے، قوم کی حیات تخیل اور سوچ پر موقوف ہوتا کہ دنیا میں بھی مقام ومرتبہ مل سکے۔ بقول علامہ اقبال ؎

قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف

یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغ چمن کو

بہر حال مسلم قوم کی حالت دگرگوں ہے۔ پھر بھی قوم کا بچہ بچہ امید کی چنگاری لیے ہوئے ہے۔ ضرورت ہے کہ اس چنگاری کو شعلہ بنانے کی۔ انسان ٹھوکریں کھانے کے بعد ہی سرخ رو ہوتا ہے۔ قوم بجھتی ہوئی چراغ ضرور ہے مگر اندھیروں کو خوف ہمیں سے ہے۔ ہماری قوم ایک ٹمٹماتے چراغ کے مانند ہے اور یہی ٹمٹماتا ہوا چراغ ہماری قوم کا مستقبل روشن ہوگا۔ قوم کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ قوم کے غیور نوجوانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ ہونا چاہیئے، اس لیے کہ کل قوم کی قیادت انہیں نوجوانوں کے کاندھوں پر آئے گی۔

بقیہ ص:۳۶ کا..................

موخرالذکر بات کا حق قابل یقین ہے اور اکثر میں سونچا کرتا ہوں کہ میں اپنی زندگی کا سب سے زرین لمحہ کھودیا۔ ممکن ہے کہ وہ مرگیا ہو اور اسکے ہیرے نہایت بے پروائی سے ایک طرف پھینک دیئے گئے ہوں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ ایک میرے انگوٹھے کے ناخن کے برابر تھا یا وہ ابتک انکو فروخت کرنے کیلئے دربدر کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اب بھی کسی سوسائٹی کا سطح پر ابھرے اور خاموشی کیساتھ ہیرے کی خریداری کے مسئلہ کو عملی جامہ نہ پہنانے کی حرکت پر مجھے لعنت ملامت کرے۔ میں بعض وقات سونچتا ہوں کہ مجھے کم سے کم پانچ پاونڈ کی قربانی کردینی چاہیئے تھی۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر
UNANI CENTER FOR CARDIAC CARE

Consultation Time
Morning:11:00 am to 2:30 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony Tolichowki Hyderabad - 500008 T.S India

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم (اقامتی وغیر اقامتی ادارہ)

شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد

زیر انتظام : شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Ac No: 1327104000065876 Bank Name: IDBI
Ac N: SHIBLI INTERNATIONAL ADUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFS: IBkL0001327. Branch: Charminar Hyderabad (T.S)

بانی وناظم: مولانا ڈاکٹر مفتی محمد محامد ہلال اعظمی۔ موبائل:9392533661

شبلی خودنوشتوں میں

مبصر: **اقبال مسعود**۔ بھوپال

ماہنامہ صدائے شبلی میں ہر ماہ ادارے کی طرف سے کتاب پر تبصرہ کیا جائے گا، اس لئے مصنفین، مولفین اور مرتبین سے گزارش ہے کہ وہ تبصرے کے لئے دو عدد کتابیں ضرور ارسال کریں۔ (ادارہ)

حجۃ الاسلام علامہ شبلی نعمانی نے محض ۵۷؍سال کی عمر پائی۔ ان کا زمانہ تصنیف وتالیف اور تدریس بھی مختصر تھا لیکن اس قلیل مدت میں بھی سینکڑوں کام اور ہزاروں تحقیقات کے مراحل طے کیے اور سب کا سب ملت کے لیے۔ ”الفاروق“ اور ”سیرۃ النبیؐ“ تو مذہبی موضوعات تھے۔ ”شعرالعجم“ میں بھی انہوں نے اسلام کا دامن تھامے رکھا۔ مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم سے ”الفاروق“ تک اور ”شعرالعجم“ سے ”سیرۃ النبیؐ“ تک کا سفر جذبۂ ایمانی سے سرشاری کی رودادِ محبت ہے۔ اس کے علاوہ مستشرقین کے جوابات، ندوہ کا قیام، الندوہ کا اجراء اور ادارت، تحریک اشاعت اسلام، جمعہ کی تعطیل کے لیے جدوجہد، شدھی تحریک کے سدباب کے لیے تگ وتاز، احرار کی قیادت غیر معمولی کام ہیں اور یہ غیر معمولی شخص ہی کرسکتا تھا۔ وہ واقعی شمس العلماء، تاریخ کے معلم اول اور رئیس المصنفین تھے۔ بقول عبدالرحمٰن بجنوری ”شبلی ہندوستان میں پہلے یونانی مفکر ہیں“۔

شبلی پر بہت لکھا گیا ہے اور لکھا جارہا ہے لیکن سوانح کے نقطۂ نظر سے اور علمی مباحث کو سامنے رکھ کر کچھ تحریر کرنا جوئے شیر لانے جیسا ہے۔ اس بھاری پتھر کو جس شخص نے اٹھایا، اس کا نام نامی ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی ہے۔ الیاس اعظمی کے بارے میں ہمارے عصر کے نابغہ روزگار محقق، مصنف، نقاد اور تحقیق وادب کے نیر درخشاں شمس الرحمٰن فاروقی نے بجاطور پر کہا ہے کہ ”محمد الیاس اعظمی نے پوری زندگی مطالعہ شبلی میں گزاری۔ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اب شبلی اور الیاس اعظمی لازم ملزوم ہوگئے ہیں“۔

الیاس اعظمی نے اب تک شبلی پر ۱۲؍کتابیں تحریر کی ہیں یا مرتب کی ہیں اور ہر ایک میں شبلی کی زندگی، ان کی علمی ومذہبی سرگرمیوں کو کسی نہ کسی نئے نقطۂ نظر سے دیکھا گیا ہے۔ ان میں شبلی شناسی کے سوسال، شبلی اور جہانِ شبلی، نوادرات شبلی اور متعلقاتِ شبلی کو نظر خاص سے دیکھا گیا اور قدرشناسی کی گئی۔ اب

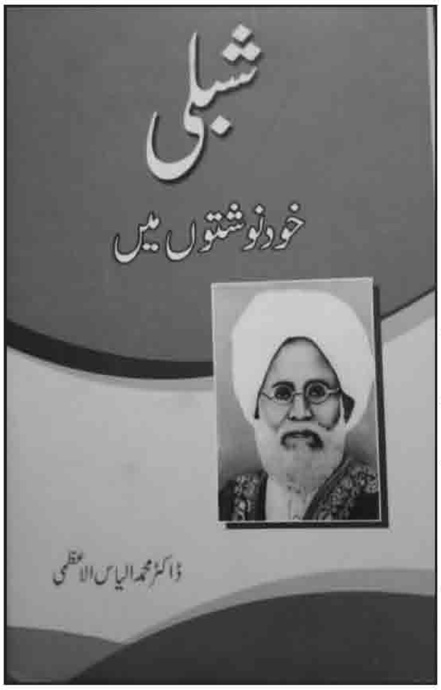

انہوں نے ایک بالکل نیا اور اور بے حد مشکل موضوع دریافت کیا ہے ”شبلی خودنوشتوں میں“۔ یہ موضوع بے حد وسیع، جانفشانی اور سخت جدوجہد، تلاش وجستجو کا حامل ہے۔ اس کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہا۔ ”سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی“ کی طرح انہوں نے ۲۴؍ایسی خودنوشتیں تلاش کیں، جن میں شبلی کا ذکر کسی اہم انداز میں کیا گیا ہے۔ یہ تعداد بذاتِ خود حیرت انگیز اور الیاس اعظمی کی دقت پسندی اور عشق شبلی کی مظہر ہے۔ دوسری طرف اتنے لوگوں نے شبلی کا ذکر اپنی خودنوشتوں میں کیا یہ امر خود شبلی کی عظمت اور اہمیت کو ثابت کرتا ہے۔

الیاس اعظمی نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں اس کی غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کیا ہے ”راقم کی اس پیش کش کو شبلی شناسی کی ایک نئی جہت قرار دیا جانا چاہئے، اس

لیے کہ اب تک اس حیثیت سے علامہ شبلی کا مطالعہ نہیں کیا گیا۔ اہل علم اور ارباب نظر نے اپنی خودنوشتوں اور آپ بیتیوں میں انہیں کس طرح یاد کیا ہے، کن کن الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے، ان پر کیا کیا اعتراضات کیے ہیں اور وہ ان سے کیونکر متاثر ہوئے اور ان کے نزدیک عظمت شبلی کا کیا راز ہے۔ ان اوراق میں انہیں پہلوؤں کا مطالعہ وتجزیہ پیش کیا گیا ہے''۔

الیاس اعظمی نے جن خودنوشتوں کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ ان کے مصنفین بھی ہماری علمی، ادبی، تعلیمی، مذہبی اور سیاسی تاریخ میں ممتاز، منفرد اور نمایاں مقام کے حامل افراد ہیں۔ نواب سلطان جہاں بیگم(1858-1930) نواب سید علی حسن خاں(1866-1936) شیخ محمد عبداللہ عرف پاپامیاں(1874-1965) مولانا محمد علی جوہر(1878-1931) ابوالکلام آزاد (1888-1958) ملا واحدی(1888-1976) مولانا عبدالباری ندوی(1889-1976) مولانا عبدالماجد دریا آبادی(1852-1977) رشید احمد صدیقی (1894-1977) مولانا سید احمد اکبرآبادی (1908-1985) اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (1913-1990) وغیرہ کی عہد ساز شخصیت اور ان کے علمی کارناموں سے ایک دنیا آشنا اور واقف ہے۔

اس کتاب میں ۲۴ رخودنوشتوں کا مطالعہ شامل ہے، ان میں سے بعض مفصل، بعض مختصر، کچھ مکمل اور چند نامکمل ہیں۔ ان کے مصنفین میں شبلی کے احباب بھی شامل ہیں۔ معاصرین بھی موجود ہیں، ان کے تلامذہ، بعد کے متاثرین بھی جلوہ گر ہیں۔ ان نامور اہل قلم میں علم وادب، دین ومذہب اور تاریخ وسیاست کے متنوع موضوعات سے متعلق اہل علم موجود ہیں۔ چنانچہ شبلی کے ذکر میں بڑا تنوع پیدا ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مختلف عہد، انداز، اسلوب اور نوعیت کی ان تحریرات نے ذکر وفکر شبلی کا ایک نیا اور وسیع منظر نامہ خلق کر دیا ہے۔

الیاس اعظمی نے مختلف خودنوشتوں کا جو اس کتاب میں شامل ہیں، اول مختصر تمہید کے ساتھ شبلی سے متعلق ان کے اقتباسات نقل کئے ہیں۔ بعد ازاں ان کا تعارف وتجزیہ کیا ہے۔ اگر کوئی تسامح ہوا ہے تو اس کی نشاندہی مستند حوالوں سے تصحیح وتوضیح کی گئی ہے۔ تنقید وتنقیص کے پہلوؤں کا معروضی انداز میں تشریح وتجزیہ کیا ہے۔ اگر حیات شبلی میں کسی واقعہ کا اضافہ ہے تو اس کی بھی نشاندہی اور وضاحت کر دی گئی ہے۔ کتاب کی ترتیب میں مصنفین کی سنہ پیدائش کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ چنانچہ آغاز نواب سلطان جہاں بیگم فرماں روایت بھوپال کی خودنوشت ''اختر اقبال'' سے کیا ہے ،جنہوں نے سیرت نبویؐ کی تمام مصارف کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی اور جن کے لیے شبلی نے یہ قطعہ کہا تھا:

مصارف کی طرف مطمئن ہوں میں بہرصورت
کہ ابر فیض سلطان جہاں بیگم زر افشاں ہے
رہی تالیف، تنقید روایت ہائے تاریخی
تو اس کے واسطے حاضر مرا دل ہے مری جاں ہے
غرض دو ہاتھ ہیں اس کام کے انجام میں شامل
کہ جس میں اک فقیر بےنوا ہے ایک سلطاں ہے

۱۸ رنومبر ۱۹۱۴ء کو جب شبلی کا انتقال ہوا تو بیگم سلطان جہاں نے بڑی حسرت سے کہا تھا کہ ''فقیر بےنوا تو چل بسا سلطان باقی ہے''۔ کتاب میں شامل خودنوشتوں کے اجمالی تعارف کے علاوہ ان کے مصنفین کے فوٹو بھی لگائے ہیں۔ شبلی سے ان کے روابط اور فکری مماثلت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے اگر شبلی کے فکر وفن پر کچھ اور لکھا ہے تو اس کی بھی تفصیلات درج کر دی ہیں۔ آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل ہے۔ یہ بھوپال کی عالمی شہرت یافتہ مسجد تاج المساجد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے مولانا محمد عمران خان ندوی ازہری (191-1986) کی مرتبہ کتاب''

مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں“ میں شامل اہل قلم جو بڑی عظمت وشان کے لوگ ہیں بلکہ ان کا شمار علم وادب کی سربرآوردہ اشخاص میں ہوتا ہے۔ انہوں نے شبلی اور تصانیف شبلی سے متاثر اور مستفیض ہونے کا ذکر صراحت سے کیا ہے، ان کو بھی شاملِ کتاب کرلیا ہے۔

الیاس اعظمی نے ”شبلی خودنوشتوں میں“ تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔ تحقیق کیسے کی جائے، اس کے لیے مواد کیسے حاصل کیا جائے، تجزیہ وتنقید کے کیا اصول ہوں، ان سب کا ذکر اس کتاب کی اہمیت کو دوچند کررہا ہے۔ ۳۱۲ صفحات کی کتاب پر تبصرہ کرنا میرے لیے کافی مشکل ہے۔ یہ ایک ہلکا سا تعارف ہے اور ان کاوشوں کو خراجِ تحسین کہ جن کی بدولت یہ کتاب وجود میں آئی۔ الیاس اعظمی صاحب ہمارے عصر کے نامور محقق ہیں۔ ان کے بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی نے سچ ہی لکھا ہے: ”کچھ لوگ ہی ایسے ہوں گے جنہوں نے کسی مصنف کی زندگی اور تحریروں کے مطالعے کے لیے اپنی عمر وقف کردی ہو اور ان کے مطالعات کا ثمرہ قابل قدر تصنیفات کی صورت میں بھی سامنے آیا ہو۔ اس صورتِ حال کے پیدا ہونے کے لیے اور شرطوں کے علاوہ یہ شرط بھی ہے کہ جس شخص کو اپنا موضوع بنایا گیا ہو اس کی تحریروں میں اتنا تنوع ہو کہ وہ تازیست مطالعے اور گہرے مطالعے کی متحمل ہوسکیں۔ پھر یہ بھی ایک شرط ہے جس شخص نے اپنی پوری زندگی مطالعہ شبلی میں گزاردی اور اس کے نتیجے میں ایسے گوہر آبدار برآمد ہوئے کہ جن کی چمک اور خوبصورتی، علم وادب کے میدانوں کو خیرہ کرتی رہے گی۔ ادبی دائرہ اعظم گڑھ کی یہ کتاب ”شبلی خودنوشتوں میں“ بھی اسی طرح کا کارنامہ ہے۔

جامعۃ البنات الاصلاحیۃ حیدرآباد (ملک پیٹ)

لڑکیوں کی اعلیٰ دینی وعصری تعلیم کا فکری واصلاحی معیاری مرکز

شعبہ جات: تحفیظ القرآن الکریم ★ شعبہ ابتدائیہ (دوسال)
★ شعبہ عالمیت (چارسال) ★ شعبہ فضیلت (دوسال)

☆شہر سے اہم مقامات سے آمد ورفت کی سہولت ☆دور دراز کی طالبات کے لیے ہاسٹل کا نظم ☆عثمانیہ یونیورسٹی سے میٹرک تا ایم۔اے امتحانات دلوانے کا نظم

لڑکیوں کے لیے قرآن، حدیث، فقہ، ادب، سیرت، تاریخ کے علاوہ انگریزی زبان کے اعدادیہ تا فضیلت چھ سال تعلیم کا بہترین نظم ہے

رابطے کے لیے پتہ:
JAMIATUL BANAT AL-ISLAHIYAH
#16-3-993/1, NEAR DAWN HIGH SCOOL
OFFICERS COLONY, NEW MALAKPET,
HYDERABAD(T.S) INDIA 500036

نصب العین: انقلاب بذریعہ تعلیم قرآن وسنت کی گہری بصیرت، شہادت حق، احیائے دین کی استعداد اور امت کے لیے داعیانہ، مجاہدانہ اور قائدانہ کردار کی حامل ”المرأۃ الصالحۃ“ ٹیم کی تیاری۔

☆شعبہ تحفیظ القرآن اور شعبہ ابتدائیہ وعالمیت کے پہلے سال میں داخلے سال بھر جاری رہیں گے۔ اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے خواہشمند سرپرست حضرات سے اپنی لڑکیوں کے ہمراہ جلد رجوع ہونے کی خواہش کی جاتی ہے۔

جامعۃ البنات الاصلاحیۃ حیدرآباد کا استحکام وقت کا اہم تقاضہ اور ملی فریضہ ہے۔ اس اہم مرکز کی تعمیر وترقی ک لیے مالی اور اخلاقی تعاون فرماکر ہمارے حوصلے کو قائم رکھیں۔

ناظم: مولانا عبدالعلیم اصلاحی
موبائل 9676202819

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

Maulana Azad National Urdu University

مرکزی یونیورسٹی جسے نیشنل اسسمنٹ اینڈ ایکریڈیشن کونسل سے ''اے گریڈ'' حاصل ہے

EPABX : 23008402-04

Directorate of Distance Education نظامت فاصلاتی تعلیم

Admission Notification - July, 2019 Session داخلہ اعلامیہ۔ جولائی 2019 سیشن

جولائی 2019 سیشن کے لیے مندرجہ ذیل فاصلاتی طریقہ تعلیم کے پروگراموں میں داخلے کے لیے آن لائن درخواستیں مطلوب ہیں:

پروگرام کا نام	میعاد	مسلمہ حیثیت
ایم اے (اردو) ایم اے (انگریزی) ایم اے (تاریخ) ایم اے (ہندی) ایم اے (عربی) ایم اے (اسلامک اسٹڈیز) بی اے (فاصلاتی طرز)	دو سالہ	یو جی سی، ڈی ای بی، نئی دہلی کے ذریعے منظور شدہ بحوالہ مکتوب F.1-6/2018 (DEB-1) مورخہ 9/اگست 2018 اور F.1-18/2018 (DEB-1) مورخہ 31/دسمبر 2018
بی اے بی کام بی ایس سی (لائف سائنسز)۔ بی زیڈ سی بی ایس سی (فزیکل سائنسز)۔ ایم پی سی	تین سالہ	
ڈپلوما ان ٹیچ انگلش ڈپلوما ان جرنلزم اینڈ ماس کمیونکیشن	ایک سالہ	
سرٹی فیکیٹ کورس۔ اہلیت اردو بذریعہ انگریزی سرٹی فیکیٹ کورس۔ فنکشنل انگلش برائے اردو داں	چھ ماہی	

ای پراسپکٹس اور آن لائن درخواست فارم 19/مئی 2019 سے یونیورسٹی ویب سائٹ https://manuuco.in/ddeonlineadmission 19 پر دستیاب رہیں گے۔ بی ایڈ (فاصلاتی طرز) کے لیے درخواست 1000 روپے رجسٹریشن فیس کے ساتھ آن لائن داخل کرنی ہوگی۔ جبکہ دیگر پروگرامس کے لیے درخواست 200 رجسٹریشن فیس کے ساتھ داخل کی جاسکتی ہے۔

امیدوار مزید تفصیلات کے لیے طلبہ رہبری یونٹ ہیلپ لائن 040-23008463 اور 040-23120600 (ایکسٹنشن 2207) سے رابطہ کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ حیدرآباد، نئی دہلی، کولکتہ، بنگلور، ممبئی، پٹنہ، دربھنگہ، بھوپال، رانچی، امراوتی، سری نگر، جموں، نوح (میوات) اور لکھنؤ میں واقع یونیورسٹی کے ریجنل/ سب ریجنل سنٹرس سے بھی رابطہ کرسکتے ہیں۔ داخلہ کونسلنگ، رہنمائی وغیرہ کے لیے لنک https://manuuco.in/ddeonlineadmission19/contactus ملاحظہ فرمائیں۔

بی ایڈ (فاصلاتی طرز) 2018 کے امیدواروں کو جو پہلے ہی درخواست جمع کرچکے ہیں، دوبارہ درخواست دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم، انہیں داخلہ پورٹل میں الگ کرکے اپنی اہلیت اور قابلیت کی تفصیلات کی دوبارہ توثیق کرنی ہوگی۔

آن لائن درخواست فارم داخل کرنے کی آخری تاریخ برائے بی ایڈ پروگرام 15/جون 2019 ہے اور دیگر پروگرامس کے لیے یکم/اگست 2019 مقرر ہے۔

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم www.manuuu.ac.in رجسٹرار